ماہنامہ

قلندرِ شعور

فروری سنہ ۲۰۲۰ء

سُکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور رُوح کے عرفان کے بغیر سُکون نہیں مِلتا

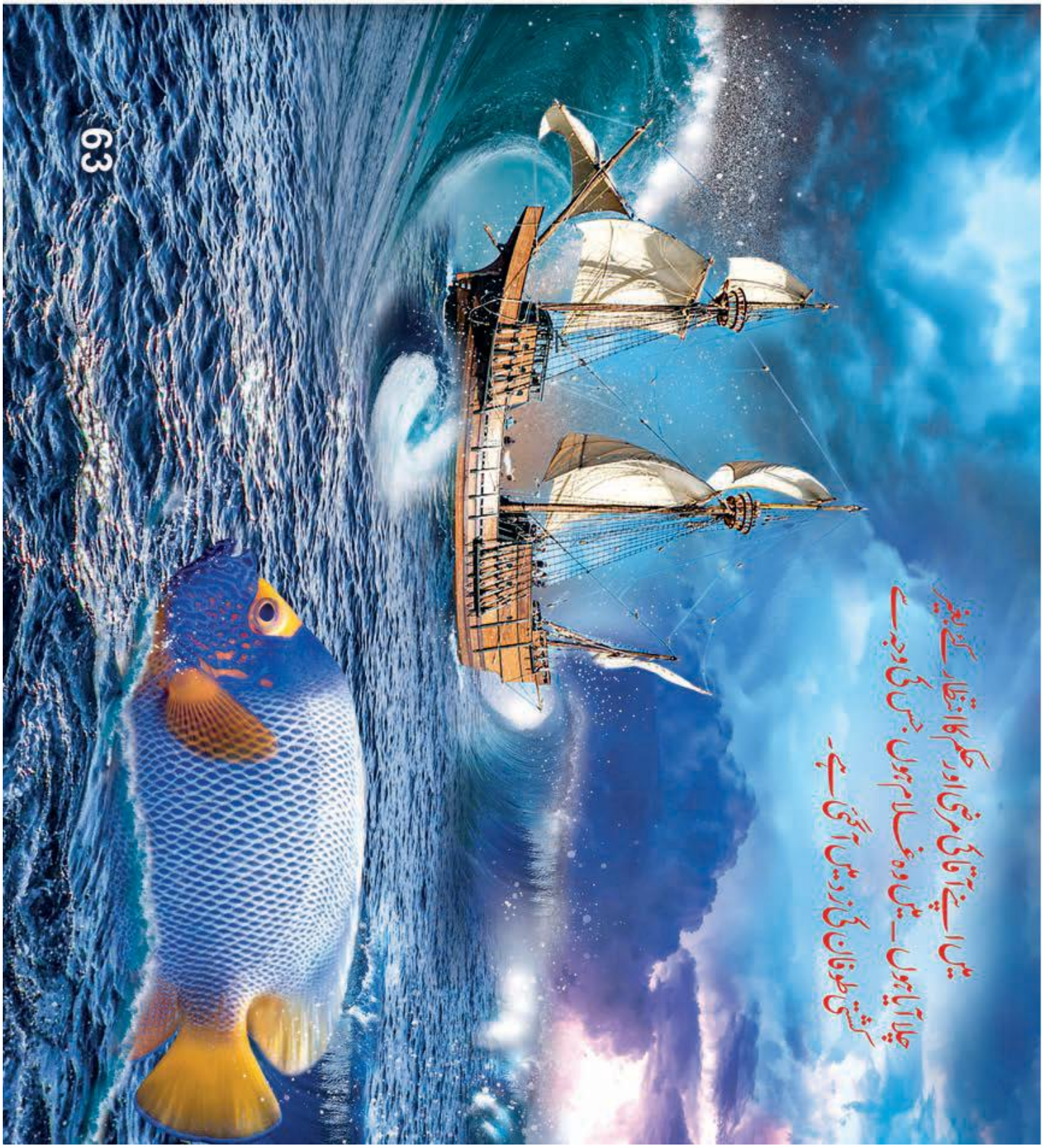

جلد 8 شمارہ 1 | فروری 2020ء | جمادی الثانی ۔ رجب 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ قلندر شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو۔انگریزی)

سرپرست اعلیٰ
حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر
خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر
حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر
محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـــ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس،
ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے.... سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ ____ احسان دانش 10

نعت رسول مقبول ﷺ ____ رئیس امروہوی 11

رباعیات ____ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ 12

آج کی بات ____ مدیر مسئول 14

فقیر کی ڈاک ____ ادارہ 19

نامے میرے نام ____ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ 21

اندھا ــ کوڑھی اور لنگڑا ____ ملک محمد ناصر 25

وقت کرتا ہے پرورش برسوں ____ (امریکا) عائشہ سید 31

خوش بو ____ 37

پیرا سائیکالوجی سے مسائل کا حل ____ خواجہ شمس الدین عظیمی 41

حضرت عیسیٰؑ اور سمندر ____ حماد علی شاہ 45

جھن جھن باجے من کے تار ____ (MBA) سید اسد علی 51

چڑیوں کے گیت ____ (M.Sc-Zoology) زاہدہ تبسم 57

کشتی اور غلام ____ ادارہ 63

لہر الف ــ ب ــ ج ____ (M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم 67

امید کی کرن ____ عابد محمود 75

خواجہ باقی باللہؒ ____ (M.A-Mass Comm.) تالیف: قرۃ العین واسطی 79

خانہ جنگی ـــــ عثمان طاہر 85

سوچ کا سفر ـــــ (سربیا) نوید یار خان 91

ذہن خلا ہے ـــــ احمد نواز (M.Ed.) 93

وجود در وجود بارش ـــــ فرزانہ پرویز 99

نومبر 2019ء کے سرورق کی تشریح ـــــ قارئین 104

کابلی والا ـــــ رابندر ناتھ ٹیگور 109

اقتباسات ـــــ قارئین 115

پورب کے ہم زاد ـــــ محمد عدنان خان (M.Sc-Applied Physics) 117

اللہ میاں کے باغ کے پھول ـــــ

اولی الالباب بچے ـــــ ادارہ 123

ایک تھا ملّا نصر الدین ـــــ حمدہ امجد 125

شیر، بھالو اور سانپ ـــــ سعید سہروردی 129

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ـــــ عظیمی خواجہ شمس الدین 135

145 Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) ـــــ Reality and Materialism

148 Roshan Sitara ـــــ Colours

153 Umar Tarlq ـــــ The Little Artists

159 Extracted ـــــ Prophet Jesus (PBUH)

164 Qurat-ul-Ain ـــــ See Through the Noor

168 Bibi Anuradha (UAE) ـــــ Circle of Life

172 K. S. Azeemi ـــــ Message of the Day

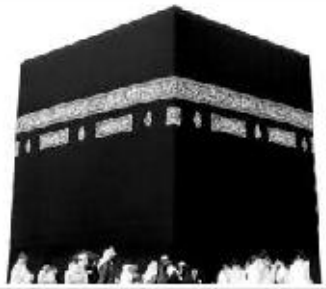

حمد باری تعالیٰ

احسان دانش

اللہ تیری قدرتِ کامل ہو کیا بیاں
بندے میں یہ مجال یہ جرأت بھلا کہاں
یہ آسماں یہ چاند ستارے یہ کہکشاں
ہیں سر بسر خلا کے سمندر کی سیپیاں
مشرق سے روز صبح نکلتا ہے آفتاب
مغرب کی سمت شام کو ڈھلتا ہے آفتاب
جس سمت جو بھی رخ ہو جدھر بھی اٹھے نگاہ
ہر شے ہے اس جہاں میں تیری ذات کی گواہ
پھیلی ہے ہر طرف تیری صنعت کی کارگاہ
جو دیکھتا ہے منہ سے نکلتا ہے واہ واہ
لا شے سے ایک شے کا شگوفہ نکال کر
آزاد کردیا ہمیں زنجیر ڈال کر
ہر ذرّہ زمیں سے یہ اگتی ہوئی سی ضو
ہر صبح، صبحِ تازہ ہے ہر شام، شامِ نو
یہ سیلِ آب، شعلۂ آتش ہوا کی رو
یہ خاک رنگ رنگ میں نشوونما کی لو
مُردوں کی جان بخشنے والا نہیں کوئی
تیرے سوا خدائے تعالیٰ نہیں کوئی

رئیسؔ امروہوی

نعت رسول مقبول ﷺ

کس کا جمالِ ناز ہے جلوہ نما یہ شُو بہ شُو
گوشہ بگوشہ، دربدر، قریہ بہ قریہ، کُو بہ کُو

اشک فشاں ہے کس لئے دیدۂ منتظر مرا
دجلہ بہ دجلہ، یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ، جُو بہ جُو

مری نگاہِ شوق میں حسن ازل ہے بے حجاب
غنچہ بہ غنچہ، گل بہ گل، لالہ بہ لالہ، بُو بہ بُو

جلوۂ عارضِ نبیؐ، رشک جمالِ یوسفی
سینہ بہ سینہ، سر بہ سر، چہرہ بہ چہرہ، ہُو بہ ہُو

زلفِ درازِ مصطفیٰؐ گیسوئے لیل حق نما
طرّہ بہ طرّہ، خم بہ خم، حلقہ بہ حلقہ، مُو بہ مُو

یہ میرا اضطرابِ شوق، رشک جنونِ قیس ہے
جذبہ بہ جذبہ، دل بہ دل، شیوہ بہ شیوہ، خُو بہ خُو

تیرا تصورِ جمال میرا شریک حال ہے
نالہ بہ نالہ، غم بہ غم، نعرہ بہ نعرہ، ہُو بہ ہُو

کاش ہو ان کا سامنا عین حریمِ ناز میں
چہرہ بہ چہرہ، رخ بہ رخ، دیدہ بہ دیدہ، دُو بہ دُو

عالم شوق میں رئیسؔ کس کی مجھے تلاش ہے
خطہ بہ خطہ، رہ بہ رہ، جادہ بہ جادہ، سُو بہ سُو

عمل کی دنیا

مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے
مٹی کی گرفت میں تجھے آنا ہے
کچھ دیر پہنچنے میں لگے گی شاید
مٹی کی طرف چند قدم جانا ہے

''ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا۔'' (الحجر:۲۶)

اللہ تعالیٰ نے سڑی ہوئی مٹی اور سوکھے گارے سے پتلا بنایا اور پتلے میں اپنی روح پھونک دی۔ پتلے سے مراد جسمانی اعضا ہیں مثلاً ہاتھ، انگلیاں، پیر، گلے سے ٹانگوں تک ہڈیوں کا صندوق ــــ صندوق کے اندر پھیپھڑے، دل، گردے، جگر اور دوسرے تمام اعضا جو اس صندوق کے اندر سلیقے سے رکھے گئے ہیں۔ مثلاً گردن کے اوپر کھوپڑی، کھوپڑی کے پیالے میں دماغ، دماغ کے اندر کھربوں خلیے، سب مٹی سے بنے ہیں۔ مٹی کے بنے کَل پرزوں میں اللہ تعالیٰ نے توانائی منتقل کی تو یہ سب چیزیں حرکت میں آ گئیں۔

مثال: رسٹ واچ میں جب ہم ڈائل الگ کر کے گھڑی کھولتے ہیں تو اندر مشینری نظر آتی ہے، اس میں بہت ساری گراریاں ہوتی ہیں۔ ہر گراری کے دندانے دوسری گراری میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جب ایک گراری چلتی ہے تو مشین کے اندر کَل پرزے سب چلتے ہیں۔ گراریوں کو چلانے کے لئے چابی (توانائی) کام کرتی ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے جسمانی مشین میں اپنی روح پھونک دی تو دل چلنے لگا اور ساری مشین حرکت میں آ گئی۔

فرد جس زمین پر چل رہا ہے، وہ بھی حرکت میں ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ زمین گردش کر رہی ہے۔ سورج، چاند، ستارے گردش میں ہیں، ہوا چل رہی ہے، پانی بہہ رہا ہے اور جسموں میں خون دوڑ رہا ہے۔ حرکت کسی لمحے منقطع نہیں ہوتی۔ آدمی بیداری میں بھی چل رہا ہے ــــ سو رہا ہے تب بھی حرکت میں ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہم چل تو رہے ہیں، لیکن کیوں چل رہے ہیں، کہاں چل رہے ہیں اور کون چلا رہا ہے ــــ اس کا ہمیں علم نہیں ہے۔

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا سینہ مٹی کا بنا ہوا ہے۔ ہم مٹی ہیں اور ہمارا کاشانہ بھی مٹی ہے۔ مٹی نے اپنی گرفت میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ ہم اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ مٹی میں ''اصل قانون'' کو جاننے اور سمجھنے میں کچھ دیر تو لگتی ہے لیکن اگر انسان چند قدم اس سفر کے لئے اٹھائے تو یہ سب سمجھنا آسان عمل بن جاتا ہے۔ قدم بڑھانا عمل کی دنیا ہے اور عمل کا نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

آج کی بات

ہم قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہیں اور اپنا عکس دیکھ رہے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ ہم آئینے میں صورت دیکھ رہے ہیں۔ یہ تصوراتی بات ہے۔ تصوف میں طرزِ فکر کے اوپر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔ طرزِ فکر کیا ہے ــــ؟ طرزِ فکر یہ ہے کہ جب آنکھیں بند ہو جاتی ہیں تو آدمی کچھ نہیں دیکھتا لیکن دیکھتا ہے۔ دیکھنا یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم شے کو دیکھ رہے ہیں جب کہ آدمی شے سے ہم کلام ہو تو شے یہ کہے گی کہ میں آدمی کو دیکھ رہی ہوں۔

احبابِ کرام! اس قانون کو سمجھئے کہ آدمی شے کو دیکھ رہا ہے یا شے ہمیں دیکھ رہی ہے یعنی ہم شے کے دیکھنے کو دیکھ رہے ہیں ــــ؟ اگر آئینے میں شے کا عکس نہ ہو اور آئینے کے اندر نقش و نگار تصویر نہ بنیں تو ہم کچھ نہیں دیکھتے۔ بتایئے ہم نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا ــــ؟ جو دیکھا، کیا وہ دیکھنا ہے ــــ؟

کھانا پینا، سونا جاگنا، زود رنج ہونا، فراخ دل ہونا یا جن حرکات و سکنات کو زمین پر زندگی سمجھا جاتا ہے ــــ سب اسی قانون کی پابند ہیں۔ آدمی سمجھتا ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کھانا آدمی کو کھاتا ہے کیوں کہ آدمی مر جاتا ہے، اناج اور پانی ختم نہیں ہوتے۔ گندم ہمیں اپنے اندر جذب کرتی ہے تو وقتی طور پر بھوک کی تسکین ہوتی ہے۔ پانی رگوں میں سرایت نہ کرے، پیاس نہیں بجھتی۔ اسی طرح آئینہ ہماری تصویر دیکھ کر اگر اپنے اندر جذب نہ کرے تو عکس نہیں بنتا۔

کھانا اور پینا ــــ دونوں تقاضے ہیں۔ ہماری طرح تقاضا بھی مخلوق ہے۔ ہمیں سیرابی کی ضرورت ہے تو پیاس بھی بجھنا چاہتی ہے۔ پانی پینے سے ہمیں سیرابی اور پیاس کو تسکین ملتی ہے۔ ہم کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں لیکن ہمارے اندر بھوک اور پیاس کی تصویر نہ ہو تو کھانے پینے کی طرف رغبت نہیں ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ پیاس لگی، میں بھوکا ہوں، سردی بہت ہے، گرمی زیادہ ہے ــــ یہ سب محسوس کرنا اس بات کی ضمانت ہے کہ بھوک ایک زندگی ہے اور یہ زندگی اپنا وجود دیکھتی ہے۔ بھوکے آدمی کو کھانا نہ ملے، وہ بے ہوش ہوسکتا ہے اور زیادہ وقت گزر جائے تو اس دنیا سے رخصت بھی ہوجاتا ہے۔ سوال یہ ہے:

- زندگی کیا ہے ــــ؟
- زندگی اگر حرکت ہے تو حرکت کسی بیلٹ پر قائم ہے۔ حرکت کا سورس کیا ہے ــــ؟
- حرکت کا سورس مظاہرہ ہے۔ شے قدم بہ قدم سفر طے کرکے، سفر چاہے 15 سیکنڈ کا ہو، نمایاں ہوتی ہے اور وجود سامنے آجاتا ہے۔ وجود کیا ہے ــــ؟

•• ———————— ••

پروجیکٹر سے لہریں نکلتی ہیں، لہروں میں نقوش نظر نہیں آتے۔ جب یہ اسکرین سے ٹکراتی ہیں اور ٹکرا کر پھیلتی ہیں تو پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔

قارئین! ٹھہریئے ــــ غور کیجئے فلم سے ایک لہر ظاہر ہوئی، روشنی کے دوش پر رفتار کے ساتھ خلا سے گزر کر اسکرین سے ٹکرائی۔ یہی لہر یا لہریں جب اسکرین سے ٹکراتی ہیں تو شکل وصورت کے ساتھ مظاہرہ ہوتا ہے ــــ آدمی چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، ظاہر ہوتا ہے، غیب ہوتا ہے، بچہ بوڑھا ہوجاتا ہے اور بوڑھا رخصت بھی ہوجاتا ہے۔ اس سارے عمل کے بعد اسکرین خالی نظر آتی ہے۔ وہاں تصویر ہوتی ہے نہ تصویر کے خدوخال ظاہر ہوتے ہیں۔

اس mechanism کو ایک بار پھر پڑھئے۔

فلم میں تصویر کا عکس منتقل ہوا۔ عکس پر روشنی کی لہر نے مظاہرہ کیا تو لہر ایک مخصوص فاصلے

پر دائرے (سوراخ) میں سے گزری اور اس محیط دائرے سے پھیل کر باہر آ گئی۔ یہ پھیلاؤ اسکرین کے مطابق منعکس ہوا۔ ناظرین سمجھتے ہیں کہ ہم اسکرین پر چلتی پھرتی تصویر دیکھ رہے ہیں۔ تصویر کھاتی ہے، روتی ہے، خوش ہوتی ہے اور دلہن کا روپ بھی اختیار کر لیتی ہے لیکن سارے لوازمات ہونے کے باوجود اگر بجلی (لہریں) موجود نہ ہو اور پروجیکٹر سے شعاع نہ نکلے تو پھر اسکرین پر تصویر نظر نہیں آتی۔

کیا آپ سمجھے یہ کس قانون کی نشان دہی ہے ــــ؟ سب لوازمات ہونے کے باوجود اگر شعاع نہ ہو تو یہ سارا عمل، زندگی یا وہ لہر جس کے دوش پر جیتے مرتے، کھاتے پیتے، ظاہر ہوتے اور غیب ہو جاتے ہیں، ہم اس لہر کو نہیں دیکھتے۔

•• ———————— ••

زندگی تقاضے ہیں۔ کیا آدمی اس بات کی وضاحت کر سکتا ہے کہ

- بھوک کیا ہے ــــ؟
- کیا تقاضا پیدا ہونے کے باوجود ہمیں بھوک نظر آتی ہے ــــ؟
- کیا ہم پیاس کو دیکھتے ہیں اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ پیاس کہاں لگتی ہے ــــ؟

بھوک اور پیاس کے تاثرات قائم ہو جاتے ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔ قانون یہ ہے کہ جب تک کسی شے کا خیال نہ آئے، مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہر آدمی پر ایسا وقت ضرور آتا ہے کہ آنکھیں اور دماغ ہونے کے باوجود سب خالی (blank) ہیں۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ہدف غائب ہے، تقاضا موجود ہے لیکن تقاضے کی تکمیل ہونا نہ ہونا ــــ مخفی ہے۔

خواتین و حضرات! بتایئے شے موجود ہے، بھوک کا تقاضا بھی محسوس ہو رہا ہے لیکن نظر کیوں نہیں آ رہا ــــ؟ اسی طرح کھانا موجود ہے لیکن ذہن میں بھوک کی جو تصویر بن رہی ہے وہ اتنی دھندلی ہے کہ عکس دھند کے دبیز پرتوں میں چھپ گیا ہے۔ لہٰذا کھانا سامنے

ہوتے ہوئے بھوک کا تقاضا پیدا نہیں ہوتا۔ بے خبری کی کیفیت کے بعد جب ذہن بھوک کی طرف مائل ہوتا ہے تو آپ کھانا کھاتے ہیں، سوجاتے ہیں، سونے کے بعد بھی تقاضے (بھوک) موجود ہوتے ہیں اور تسکین ملتی ہے۔

جب جسم کی حرکت عارضی طور پر معطل ہوتی ہے تو شعور معنی نہیں پہناتا، آدمی کے اوپر نیند غالب آجاتی ہے۔ جسم بظاہر بے جان نظر آتا ہے کیوں کہ جسمانی وجود کی حرکات و سکنات متحرک (active) نہیں ہیں۔

سونا ایسا عمل ہے کہ شعور ہونے کے باوجود شعوری سرگرمیاں نظر نہیں آتیں مگر غور کیجئے سونے کی حالت میں اسپیس مغلوب ہوجاتی ہے، فاصلے سمٹ جاتے ہیں، ایک سال کا سفر ایک منٹ میں پورا ہوجاتا ہے، غفلت کی حالت میں ہم بہترین کھانا کھاتے ہیں، کھانے میں مزعفر* بھی ہوتا ہے۔ نیند کی دنیا سے ہم بیداری کی دنیا میں واپس آتے ہیں تو ہمیں یاد ہے کہ ہم نے بہت اچھا کھانا کھایا ہے۔ غیر اختیاری طور پر ہاتھ اوپر اٹھتا ہے اور ناک خوش بو سونگھتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اگر ہمارے ساتھ کوئی بیٹھا ہے اور ہم اپنی انگلیاں اس کے سامنے کردیں تو اسے بھی کھانے کی خوش بو آتی ہے۔

اسی طرح نیند کی حالت میں دہشت ناک واقعہ پیش آئے تو آدمی ڈر جاتا ہے، دل کی حرکت تیز ہوجاتی ہے، جسم پسینے میں شرابور ہوجاتا ہے، وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتا ہے، گھر والے پریشان ہوکر اس کے پاس جاتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، تسلی دیتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوا تم نے خوف ناک منظر دیکھا ہے۔۔۔ ایسا نظارہ کیا ہے جو پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جاگنے کے بعد وہ نظارے کہاں گئے اور سونے کے بعد اس عالم میں بیداری کی دنیا یاد کیوں نہیں رہتی۔۔۔؟

* مزعفر (زعفرانی زردہ)

نیند اور بیداری ایسی کیفیات ہیں کہ دونوں میں فرد تاثرات کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ بھوک اور پیاس کا تقاضا نظر نہیں آتا، تاثرات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ خوشی اور غم نظر نہیں آتے لیکن ان کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ بیداری میں نیند کی دنیا کا تاثر رہتا ہے اور نیند میں فرد بیداری کے اثرات کے تحت وقت گزارتا ہے۔ اسے رشتے یاد نہیں ہوتے لیکن جب سامنے آتے ہیں یا ان کا خیال آتا ہے تو حافظہ بتاتا ہے کہ یہ اماں ہیں، یہ ابا ہیں، یہ بہن بھائی، دوست احباب اور دیگر رشتہ دار ہیں۔

نیند کی دنیا دل چسپ ہے۔ اجنبی سے ملاقات ہو جس کو ہم بیداری میں نہیں جانتے تو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی، رشتہ داری کا خیال نہیں آتا، ہم اس سے معمول کی طرح بات کرتے ہیں مگر۔۔۔ جب جاگتے ہیں تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ ایک شخص تھا، میں نہیں جانتا۔

نیند اور بیداری میں خیال کی یاددہانی پر رشتوں کا محسوس ہونا کیا ہے۔۔۔؟

صوفی شاعر خواجہ میر دردؒ فرماتے ہیں،

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

''آج کی بات'' غور سے پڑھئے اور بتایئے کہ قدِ آدم آئینے کے سامنے آئینے نے آپ کو کیا دکھایا اور آپ نے کیا دیکھا۔۔۔؟ جو دیکھا اور نہیں دیکھا، لکھ کر بھیج دیجئے۔

اللہ حافظ

خواجہ شمس الدین عظیمی

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جناب عظیمی صاحب — السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ بھوت پریت، آسیب اور ڈائن وغیرہ کے الفاظ عام طور سے بولے جاتے ہیں، بعض بیماریوں کو بھی ان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ان سب کی تحقیق مقصود ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جو باتیں ان سے منسوب کی جاتی ہیں کیا وہ درست ہیں؟

نیازمند، افتخار شاہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

آپ نے قبرستان میں دیکھا ہوگا کہ جب قبر تختوں سے بند کردی جاتی ہے تو میت کے ساتھ جانے والے سوگوار، ہاتھوں میں مٹی لے کر قبر کے اندر ڈالتے ہیں۔ مذہب کا کوئی عمل لایعنی اور زائد نہیں ہوسکتا۔ مٹی ڈالتے وقت جو آیت تلاوت کی جاتی ہے وہ بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے انتہائی توجہ طلب ہے۔

انسان تین پرت کا مجموعہ ہے، ہر پرت متعین صفات رکھتا ہے۔ ہم ان پرتوں میں سے ایک پرت کو ہم زاد، ہیولا، ایتھر، جسم مثالی اور نسمہ کہتے ہیں۔ جس وقت گوشت پوست کے آدمی کو قبر کے اندر اتارا جاتا ہے اس وقت نسمہ اس کے ساتھ چپکا ہوا ہوتا ہے۔ چوں کہ وہ باشعور، باصلاحیت اور بااختیار ہوتا ہے اس وجہ سے فرشتے ایک خاص انتظام کے تحت اس بات کی نگرانی کرتے ہیں کہ نسمہ راہِ فرار اختیار نہ کرے۔

بعض نسمہ اتنے چالاک ہوتے ہیں کہ وہ فرشتوں کو چکما دے کر اعراف کی حد بندی سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ اس

عمل سے ان کی کوئی جائے قیام متعین نہیں ہوتی اور وہ آوارہ اور در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ طبیعت میں شرارت کی وجہ سے لوگوں کو پریشان اور ہراساں کر کے خوش ہوتے ہیں، ان کو ہمیشہ ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے جو دماغی اعتبار سے کم زور ہیں۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اس آدمی کے نسمہ میں قوت مدافعت نہ ہونے کے برابر ہے تو یہ ان کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں۔ دماغی عوارض (مالیخولیا وغیرہ) بھی نسمہ میں قوت مدافعت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں لیکن ان بیماریوں کا سایہ اور آسیب سے کوئی تعلق نہیں۔

عرض یہ کرنا ہے نوع آدم نے نادیدہ مخلوق جنات کو بدنام کرنے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا ہے کہ آدمی کے اوپر جن سوار ہو جاتا ہے۔ آدمی کے اوپر جن نہیں بلکہ خود آدمی (بھٹکا ہوا نسمہ) سوار ہوتا ہے۔ نوع جنات کے حق میں آدمی کی یہ بہت بڑی زیادتی اور ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے پوری نوع کے اوپر بہتان تراشی کی جائے۔

میں نوع جنات سے واقفیت کی بنا پر یہ بات یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جنات ہم انسانوں سے زیادہ سنجیدہ، رحم دل، ہم درد، ایثار پسند اور غم خوار ہوتے ہیں۔ جنات کے بارے میں اس قسم کی جتنی کہانیاں مشہور ہیں ان سب کے راوی ایسے آدمی زیادہ ہیں جو احساس کم تری میں مبتلا ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کا جن بھوت اتارنا کاروبار ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ہم کسی مسئلے کو حل نہیں کر سکتے تو اس کے لئے قیاس کو استعمال کر کے غلط فیصلہ صادر کر دیتے ہیں۔

دعا گو، عظیمی

(اگست 1990ء۔ کراچی)

مکہ میں ایک مرتبہ رسول پاکؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص جنات سے ملاقات کرنا چاہتا ہے وہ آج رات میرے پاس قیام کرے۔ ابن مسعودؓ کے سوا کوئی نہیں آیا۔ حضور پاکؐ انہیں ساتھ لے کر مکہ کی ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے۔ حصار کھینچ کر فرمایا کہ تم حصار سے باہر نہ آنا۔ پھر ایک جگہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد جنات کی ایک جماعت نے آپؐ کو اس طرح گھیر لیا کہ آپؐ ان کے بیچ میں چھپ گئے۔

جنات کے گروہ نے پوچھا کہ آپؐ کے پیغمبر ہونے کی کون گواہی دیتا ہے؟

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ درخت گواہی دے گا۔ آپؐ نے اس درخت سے پوچھا، میں کون ہوں؟

درخت نے گواہی دی کہ آپؐ پیغمبر ہیں۔ اللہ کے فرستادہ بندے اور آخری نبیؐ ہیں۔

یہ دیکھ کر سارے جنات ایمان لے آئے۔

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے پسند کیا ہے اور قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطے کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعے موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

★ دسمبر 2019ء کے ''آج کی بات'' پر خواتین وحضرات قارئین کا تفکر پڑھیں۔

فرزانہ بانو (کراچی): ادارے کی جانب سے سوال پوچھا گیا تھا کہ ''آج کی بات'' میں کتنی آیات کا خلاصہ ہے۔ ہم نے سطر در سطر ادار یہ غور سے پڑھا۔ پھر قرآن کریم میں آیات تلاش کیں۔ ہماری فہم کے مطابق 299 آیات کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ کاوش خط کے ساتھ منسلک ہے۔ اسائنمنٹ میں شبانہ بانو، نگین، انتیٰ، شمامہ، جبیرہ اور میں نے مل کر کام کیا۔ بلاشبہ اس طریقِ کار سے ذہنی وسعت میں اضافہ ہوا اور بہت سکون ملا۔

محمد ابراہیم (برمنگھم): ہر عمل کے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور نتیجہ سامنے آتا ہے یعنی عمل کے ساتھ پورا نظام وابستہ ہے۔ حرکت ہوتی ہے اور ارادے میں جو کچھ موجود ہے، ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعض نتائج فوری سامنے آتے ہیں اور بعض نتائج ظاہر ہونے میں وقت لگتا ہے۔ تفکر کو زیادہ وقت نہیں دے سکا، جو وقت میسر تھا اس میں 30 آیات تلاش کیں۔ محترم عظیمی صاحب نے توجہ دلائی ہے کہ اللہ کے دوستوں کو خوف وغم نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی آیات پر غور کرنے سے میرے اندر یقین پیدا ہوا۔

صدیقہ عزیز (کراچی): ہم نے حزن وملال کی پرت در پرت چادر اوڑھی ہوئی ہے، وہ پرت اختیار کیا ہے جس سے ہم نے خود کو اللہ سے دور کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جان سے زیادہ ہم سے قریب ہیں۔

کنول نجیب (کوئٹہ): کسی کی مدد کر کے یاد رکھنا توقع کا پیٹرن ہے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ فلاں کی مدد کی ہے، وہ مشکل میں ہماری مدد کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے وسائل عطا کئے اور ہم نے ان وسائل سے دوسروں کی مدد کی۔ اس سوچ کو ذہن میں رکھنے سے توقع کا پیٹرن ٹوٹتا ہے اور ذہن بے نیازی کے پیٹرن پر قائم ہو جاتا ہے۔

''آج کی بات'' میں 22 آیات کا خلاصہ بیان ہوا ہے۔

بلال حسن زئی (کراچی): ورق کے دو صفحے ہوتے ہیں۔ دونوں کے ملنے سے ورق بنتا ہے۔ رات دن کا حصہ ہے اور دن رات کا حصہ ہے۔ دنیا دونوں میں ایک ہے۔ ہم دن میں رات کی روشنی نہیں دیکھتے اس لئے ہمارے لئے دن بھی اندھیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مادی ذہن کے دیکھنے کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ ''تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور گمان کرتے ہو کہ یہ جمے ہوئے ہیں، پہاڑ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔'' لاعلمی ایسا اندھیرا ہے جس کی وجہ سے ہم ایک شے کو دو طرح سے دیکھ رہے ہیں۔

لائبہ طارق (دبئی): آدمی کٹھ پتلی ہے جس کو خیال کی تاریں حرکت دیتی ہیں۔

زینب سلیمان (راولپنڈی): خوف کب پیدا ہوتا ہے—؟ جب غلطی ہوتی ہے اور ذہن میں شکوک وشبہات ہوں۔ خوف سے نکلنے کا راستہ غلطی تسلیم کرنا اور اس ہستی سے تعلق محسوس کرنا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ بچہ ماں کی گود میں مطمئن ہوتا ہے۔ یقین ہو کہ ماں آس پاس ہے تو بھی اطمینان ہو جاتا ہے۔ اگر اسے خیال آئے کہ ماں اردگرد موجود نہیں ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے۔ خوف کی وجہ اللہ سے دور ہونا اور نافرمانی ہے۔ غلطی کا اعتراف کر کے فرماں برداری اختیار کریں تو خوف وغم ختم ہو جائے گا۔

راشد حفیظ (سعودی عرب): آسمان پر ستارے دیکھے۔ پہلے لگا کہ چند ستارے ہیں۔ آہستہ آہستہ پورا آسمان ستاروں سے جھلمل کرتا ہوا نظر آیا۔ ستاروں کو دیکھنے کے لئے بہت یکسوئی چاہئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کو گھومتے ہوئے دیکھا۔ پھر لگا کہ ستارے اپنی جگہ پر موجود ہیں کیوں کہ حرکت سے ان کی جگہ تبدیل نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر ایک ستارہ پانچ ستاروں کے درمیان نظر آیا اور حرکت کرنے کے باوجود ان کے درمیان میں رہا۔ حرکت میرے ذہن کی ہے یا ستاروں کی—؟ اداریہ پڑھنے کے بعد قرآن کریم کی آیات تلاش کیں۔ 42 آیات سمجھ میں آئیں۔

شمع خاتون (گجرات): جاگنے کے بعد پاک ہونے کی ضرورت محسوس ہونے کے عمل پر غور کیا۔ آدمی پرتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک پرت میں حرکت کے اثرات سارے پرتوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

★—★—★

★ دسمبر 2019ء کے شمارے میں مضامین پر قارئین کے منتخب خطوط یہ ہیں۔

اسما حنیف (کراچی): مضمون ''ایک وقت آواز ریزہ ریزہ ہو جائے گی'' کا خلاصہ یہ ہے کہ موجودات آواز کی فریکوئنسی ہیں۔ فریکوئنسی مقداریں ہیں جنہوں نے پہاڑ، آدمی، اونٹ، صنوبر، گلاب، زمین اور آسمان وغیرہ کو یکجا رکھا ہے۔ قدموں کی فریکوئنسی اور پل کی فریکوئنسی ایک ہوئیں تو پل ٹوٹ گیا اور اس پر موجود لوگ بھی متاثر ہوئے۔ دو الگ وجود کی فریکوئنسی ایک ہو جائیں تو دونوں کی شناخت متاثر ہوتی ہے۔ ہم آواز کی مخصوص فریکوئنسی کا مجموعہ ہیں۔

محمد ناصر (حیدر آباد): پیراسائیکالوجی سے مسائل کے حل میں جوابات پُرمغز ہیں۔ان کی توجیہ بھی شائع کی جانی چاہئے تاکہ علاج کے ساتھ تھیوری بھی جاری رہے۔کالم شروع کرنے سے پہلے چھ اقساط پر مشتمل پیراسائیکالوجی کی تھیوری پیش کی گئی، اسے کتابچے کی صورت میں شائع کیا جائے۔

منیبہ احمد (کراچی): عاصم صاحب کے مضمون میں دائرے میں مثلث دکھائے گئے ہیں۔دائرہ غالب ہے۔ پوچھا گیا ہے کہ دائرہ نظر کیوں نہیں آتا؟ جواب یہ ہے کہ ہم اس شے کو دیکھتے ہیں جو ہم سے الگ ہو۔دائرے اور ہمارے درمیان اسپیس نہیں ہے اس لئے دائرہ دکھائی نہیں دیتا۔

پ۔ط (چنیوٹ): ادارے کی جانب سے شائع کیا گیا مضمون ''37 ہزار 797 فٹ'' لاجواب تھا جس نے سوچ میں گہرائی پیدا کی۔فکر کی عادت ہو جائے تو ''ماہنامہ قلندر شعور'' فکر کے دریچے کھولنے والا رسالہ ہے۔

سعدیہ وحید (فیصل آباد): طرحی مشاعرے پر مضمون عمدہ تھا۔اردو ادب پر مضامین شائع کئے جانے چاہئیں۔ ''زمانے کے انداز بدلے گئے'' میں فلیورڈ شیشے سے متعلق واقعہ سبق آموز ہے۔نسلیں تباہ ہو رہی ہیں اور ہمیں احساس نہیں ہے۔ایسے کتنے کام ہم کرتے ہیں اور نتائج کی پروا نہیں کرتے۔

جویریہ قادر (کراچی): پیارے بچے فرقان کی کاوش اچھی لگی۔میرے بچوں کو ''دھوپ گھڑی'' بہت پسند آئی۔وہ کہتے ہیں کہ سورج کے جاتے ہی دھوپ گھڑی غائب ہو جاتی ہے اس لئے دھوپ گھڑی محفوظ نہیں ہے۔

سارب بیگ (کراچی): استاد نے بندروں سے کہا دھوپ گھڑی کو غور سے دیکھیں لیکن بندروں نے غور نہیں کیا۔

رابعہ (لاہور): سرورق میں آدمی کی تصویر پر غور کیا تو اس کا وجود مٹی سے بنا ہے اور مٹی بھی ایک نہیں ہے، مختلف صفات کا مجموعہ ہے۔مٹی میں کھنکھناہٹ ہوتی ہے کیوں کہ اس میں خلا ہے۔خلا میں حیات مٹی کو حرکت میں رکھتی ہے۔خلا میں حیات کی تصویر ''انسان'' ہے۔آدمی علوم کے چھ مدارج طے کر کے ''انسان'' سے واقف ہوتا ہے اور انسان ''احسن تقویم'' ہے۔

بتول فاطمہ (نیویارک): انارکلی کی کہانی ــــ بادشاہوں کی بے حسی کی کہانی ہے۔سلیم کی وجہ سے انارکلی مر گئی اور اسے انارکلی یاد نہیں رہی۔جب انارکلی یاد آئی تو مہرالنساء کو بھول گیا۔تخت و تاج، بادشاہت اور اقتدار کا نشہ بے حس بنا دیتا ہے جیسے زندگی نہیں کوئی کھیل تماشا ہے۔

سید محمد ثاقب: میرے سامنے دو اسکرین ہیں۔ایک میں لاشعوری زندگی اور دوسرے میں شعوری زندگی پھیل رہی ہے۔لاشعوری زندگی کا پھیلاؤ خواب میں ہے۔لاشعور میں حرکت کا اثر شعور پر پڑتا ہے۔وضاحت فرمادیں۔

زیرِ سرپرستی

اللہ کے دوست حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

عظیمیہ روحانی لائبریری برائے خواتین

فری ممبرشپ

فری مطالعہ

روحانی علوم کے متلاشی خواتین وحضرات، راہِ سلوک کے مسافر اور روحانی سائنس میں دلچسپی رکھنے والے طلبہ وطالبات کے لئے عظیمی صاحب کی تحریر کردہ اور تصوف کی دیگر کتابیں مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

مکان نمبر 65 بلاک A-2، پنجاب ہاؤسنگ سوسائٹی

نزد جوہر ٹاؤن، لاہور۔ فون نمبر: 042-35185142

ملک محمد ناصر

اندھا ـــ کوڑھی اور لنگڑا

ریل گاڑی کی رفتار کم ہوتی ہے تو خیال آتا ہے کہ اسٹیشن آ گیا ہے۔ کچھ دیر کے لئے گاڑی رکتی ہے، چند مسافر اترتے ہیں، کچھ چڑھتے ہیں اور گاڑی اگلے اسٹیشن کے لئے روانہ ہو جاتی ہے۔ لگتا ہے کہ ریل گاڑی مسافروں سے خالی نہیں ہوتی، ایک اترتا ہے، دوسرا چڑھتا ہے اور ریل کا سفر جاری رہتا ہے۔

چاند ریلوے لائن کے پار برگد کے پیڑ کے عقب میں مسکرا رہا تھا۔ رات کی سیاہی پھیل کر کہیں گہری اور کہیں ہلکی ہو گئی تھی۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ ریلوے پلیٹ فارم پر لگے بلب کی زرد روشنی اندھیرے کو روشن کرنے کی ناکام سعی میں مصروف تھی کہ اچانک پلیٹ فارم پر چھایا اندھیرا دور ہونے لگا۔

یہ روشنی بلب کی نہیں دور سے قریب آنے والی گاڑی کی تھی۔ خاموشی میں انجن کا شور اور ریل کی پٹریوں کی گڑگڑاہٹ سے خاموش فضا میں گونجار پیدا ہوئی۔ جیسے جیسے گاڑی پلیٹ فارم کے قریب آئی، رفتار کم ہوتے ہی شور تھمنے لگا اور ریل گاڑی چھوٹے پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی۔

پلیٹ فارم پر منتظر ایک دوسرے سے انجان تین مسافر ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ وہ سفر پر نکلے تھے مگر زادِ سفر ساتھ نہیں تھا۔ تھوڑے وقفے کے بعد سیٹی بجی اور ریل گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ رفتار تیز ہوتے ہی ان راستوں پر مقیم بڑے درخت اور چھوٹی جھاڑیاں، مکانات اور کھیت کھلیان ہیولا بن گئے۔

تین مسافروں میں سے ایک پیروں سے معذور تھا۔ اس کے لئے چلتی ہوئی گاڑی میں ضرورت کے تحت حرکت کرنا مشکل تھا جب کہ بخار بھی لپٹا ہوا تھا لیکن وہ کمپارٹمنٹ میں اکیلا نہیں تھا، دائیں طرف نابینا شخص اور سامنے چہرہ خاکی چادر میں چھپائے اجنبی بیٹھا تھا۔ یہ تینوں ایک ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے تھے۔

نقاب پوش دیگر افراد سے انجان کھڑکی سے باہر رات کے اندھیرے میں کھویا ہوا تھا۔ کمپارٹمنٹ کے دروازے کھلے تھے اور ہلکی زرد روشنی آ رہی تھی۔

روشنی اور اندھیرے کو دیکھنے کی تینوں کی طرز مختلف تھی۔ لنگڑے پر بخار کے سبب نقاہت طاری تھی۔ وہ سفر سو کر گزارنا چاہتا تھا مگر کمپارٹمنٹ میں روشنی مزاحم تھی۔ اندھا، اندر کے اندھیروں میں گم اور نقاب پوش

کمپارٹمنٹ میں مدہم روشنی کے باوجود باہر کی تاریکی میں روشنی تلاش کررہا تھا۔

بخار کی شدت سے کراہتے ہوئے شخص کی آواز ابھری، پانی — پانی! دونوں میں سے کسی نے توجہ نہیں دی۔ شاید باہر سے آنے والی آواز ان کے اندر کے شور میں دب گئی تھی۔ اس نے پھر پکارا، پیاس لگی ہے، کوئی ہے جو پانی پلادے — ؟

اندھا مسافر دائیں بائیں لاٹھی ٹٹولنے لگا جو ہاتھ لگتے ہی سیٹ سے گرگئی۔ بے بسی سے کہا، دھواں میری آنکھوں کا غبار بن گیا ہے جس نے ہر منظر چھپادیا ہے۔ ایسے میں پانی کہاں سے لاؤں — ؟

بھائی! چند قدم چل کر دائیں جانب مڑ جاؤ، کولر رکھا ہوا ہے۔ بخار میں مبتلا لنگڑے شخص نے راہ نمائی کی۔

اندھا مسافر لاٹھی کے بغیر اٹھا مگر دو قدم چلتے ہی لڑکھڑا گیا۔ دونوں سے لاتعلق نقاب پوش نے گردن گھمائی۔ بیمار شخص کی نظروں میں پانی پلانے کی التجا تھی۔

نقاب پوش اپنے خول سے باہر آیا، پہلے گرنے والے مسافر کو اٹھنے میں مدد دی، لاٹھی پکڑائی اور کولر کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد لوٹا تو ہاتھ خالی تھے۔

اے بیمار شخص! پانی نہیں ہے۔

بھاری آواز پر اندھا مسافر چونک گیا اور بولا، یہ ہم میں تیسری آواز کس کی ہے — ؟

میں! اس سفر میں تم لوگوں کا شریک اور کمپارٹمنٹ نما غار میں تمہاری طرح مقید ہوں۔

اندھے مسافر نے پوچھا، کون سا اسٹیشن ہے؟

اسٹیشن نہیں آیا، ریل گاڑی کی رفتار کم ہوئی ہے۔

بیمار شخص نے نحیف آواز میں پوچھا، ہماری منزل کب آئے گی — ؟

ہماری منزل ان صحراؤں میں کھو گئی ہے جہاں بگولے اڑتے ہیں۔ نقاب پوش نے توجہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر مرکوز کردی۔

لنگڑے مسافر نے نقاب پوش سے کہا، سفر میں ہم دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ تم نے چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے — ؟ یہ بے چارہ تو اندھا ہے اس کے لئے تمہارا چہرہ چھپانا اور نہ چھپانا برابر ہے۔ میری حالت یہ ہے کہ سہارے کے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا لہٰذا تعارف کرادینا ضروری ہے۔

دونوں نے بیک وقت کہا، ہم تیسرے ساتھی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔

نقاب پوش بولا، اگر تمہیں اس چہرے کی حقیقت معلوم ہوگئی تو میری موجودگی برداشت نہیں کرسکو گے۔

کیوں نہیں — اس وقت اللہ نے تمہیں ہمارا سہارا بنایا ہے۔ نقاب پوش نے جواب نہیں دیا۔

گاڑی کی رفتار کم ہوتی جارہی تھی۔

یہ کون سا اسٹیشن ہے؟ اندھے مسافر نے پوچھا۔

باہر گہرا اندھیرا ہے اور اندھیرے میں ہر شے اپنی پہچان کھو بیٹھی ہے۔ اسٹیشن کوئی بھی ہو، تمہارے لئے

تو ہر جگہ برابر ہے۔

اندھے کو نقاب پوش کی بات بری لگی اور وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا رہا۔

پانی — مجھے پانی چاہئے۔ کیا تم لوگ ساتھ والے کمپارٹمنٹ سے پانی نہیں مانگ سکتے؟

نقاب پوش بولا، مجھے کوئی پانی نہیں دے گا۔

اندھے شخص نے پوچھا، وہ کیوں —؟

لوگ میرے چہرے سے خائف ہیں۔

تمہارے چہرے میں ایسی کیا بات ہے؟

اگر تم لوگوں کی یہی ضد ہے تو ٹھیک ہے، دیکھ لو!

گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی اور چاند درختوں کے جھنڈ میں چھپ گیا تھا۔ اس نے چہرے سے آہستہ آہستہ نقاب ہٹایا — کھڑکی کے باہر درختوں کا سلسلہ ختم ہوا — دور چٹیل میدان اور بنجر زمین تھی۔

چاند کی دودھیا کرنیں نقاب پوش کے چہرے پر پڑیں تو لنگڑا مسافر چیخ اٹھا، تمہارے چہرے کو کیا ہوا؟

کیا ہوا؟ اندھا بھی گھبرا گیا۔

نقاب پوش کی آنکھیں بند اور چہرے پر اطمینان تھا۔

یہ زخم کیسا ہے —؟

مجھ سے مت پوچھو، خود دیکھ لو۔

کیا تمہیں کوڑھ کا مرض ہے؟

کیا کہا کوڑھ —؟ اندھا گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، ریل کے ہلنے سے اسے جھٹکا لگا اور وہ سیٹ پر گر گیا لیکن آواز تیز ہو گئی — زنجیر کھینچو۔ گاڑی روکو۔ گاڑی روکو!

نقاب پوش مسافروں کے بدلتے رویوں پر زیر لب مسکرایا اور اطمینان سے جواب دیا، بھائیو! زنجیر دور ہے۔ تم چل نہیں سکتے اور یہ دیکھ نہیں سکتا۔ یہاں سے زنجیر کھینچنے کے لئے لمبے ہاتھ چاہئیں اور جیب میں جرمانے کی رقم بھی۔ سفر طویل ہے، آرام سے بیٹھو، میرا چہرہ تمہارے ذہن سے زیادہ بدصورت نہیں!

دونوں کو بات ناگوار گزری۔ بیمار شخص خاموش نہ رہ سکا اور بولا، ٹھیک کہتے ہو مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تمہاری زبان ہمارے ذہنوں سے زیادہ زنگ آلود ہے۔

اب ان کے درمیان مکمل خاموشی تھی اور ریل گاڑی سرنگ میں سے گزر رہی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

آواز پر بیمار شخص نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سفید یونیفارم میں کوئی ٹکٹ چیک کرنے آیا تھا۔

ٹکٹ دکھائیں۔

نقاب پوش نے ایک نظر ٹکٹ چیکر پر ڈال کر لاپروائی سے نظر کھڑکی سے باہر جما دی۔

بھائی صاحب! ٹکٹ کہاں ہے؟

دیکھتے نہیں کہ ہم میں سے کسی کے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔ بیمار شخص نے بیزاری سے جواب دیا۔

ٹکٹ چیکر نے تنقیدی نظر سے تینوں کا جائزہ لیا اور پوچھا، آپ لوگ کون سے اسٹیشن سے چڑھے ہیں اور کس اسٹیشن پر اترنا ہے؟

لنگڑا شخص بیمار تھا۔اس نے کپکپاتے ہوئے کہا، ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ کون سے اسٹیشن سے سوار ہوئے، گاڑی کہاں سے چلی ہے اور کہاں تک جائے گی۔ جب چڑھے تو اندھیرا تھا، اتریں گے تو نہ جانے وہاں کیا منظر ہوگا۔

اندھا بولا، ہم تو یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ سفر میں ہیں۔ ریل گاڑی کی رفتار کم ہوتی ہے تو خیال آتا ہے کہ اسٹیشن آگیا ہے۔ کچھ دیر کے لئے گاڑی رکتی ہے، چند مسافر اترتے ہیں، کچھ چڑھتے ہیں اور گاڑی اگلے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوجاتی ہے۔ لگتا ہے کہ ریل گاڑی مسافروں سے خالی نہیں ہوتی، ایک اترتا ہے، دوسرا چڑھتا ہے اور ریل کا سفر جاری رہتا ہے۔

نقاب پوش نے کہا، عجب سفر ہے، سارے مناظر ایک سے ہیں لیکن سفر ختم نہیں ہوتا۔ آخر یہ مناظر خود کو کتنی بار دہرائیں گے—؟

باتیں سن کر تھوڑی دیر کے لئے ٹکٹ چیکر بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ اگرچہ یہ صورت حال اس کے لئے انہونی نہیں تھی، ٹکٹ کے بغیر سفر کرنے والوں سے اکثر واسطہ پڑتا تھا۔ پوچھا، شناختی کارڈ ہے—؟

ہماری کوئی شناخت نہیں۔ نقاب پوش نے جواب دیا۔

سفر کر رہے ہو اور ٹکٹ نہیں ہے، نہ آنے کا پتہ ہے نہ جانے کی خبر ہے، سفر سے بھی واقف نہیں ہو۔ تم کیسے مسافر ہو، شناخت کے بغیر کوئی فرد معاشرے میں نہیں رہ سکتا پھر ریل گاڑی میں سفر کیسے ہوگا، آخر تم لوگ کون ہو—؟

ہم نوع آدم ہیں۔

مگر آدم تو اشرف المخلوقات ہے۔

ہاں! لیکن دیکھو وقت نے ہمیں کیا بنا دیا۔

ٹکٹ چیکر کچھ دیر کے لئے ان کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھتے ہوئے بولا، وقت کو کیوں الزام دیتے ہو—؟ اپنے اندر موجود صلاحیتوں سے واقف نہیں اور الزام وقت کو دیتے ہو۔

اندھے نے پوچھا، کیا تم صلاحیتوں سے واقف ہو؟

میں یہاں ملازم ہوں۔ میرے فرائض میں شامل ہے کہ ہر مسافر پر نظر رکھوں۔ کائنات میں ہر شے کی حدود ہیں جس کی بنا پر وہ پہچانی جاتی ہے۔ میں ٹکٹ چیک کرتا ہوں۔ ٹکٹ اجازت نامہ ہوتا ہے۔ سمجھ لو میرا کام محاسب کا ہے اور یہی میری پہچان ہے۔

پھر ان سے کہا، جانتے ہو تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ تم اپنے ماں باپ کے ماں باپ اور ہم سب کے ماں باپ بابا آدمؑ اور اماں حواؑ کا ورثہ اپنا لیتے تو آج تکلیف میں نہ ہوتے۔ بصارت اللہ نے دی، تم نے بصارت کو اللہ کی تلاش میں استعمال نہیں کیا، پیر اللہ نے دیئے، ان قدموں سے اللہ کی راہ پر نہیں چلے اور مٹی کے لباس کو چہرہ سمجھ لیا اس لئے اندھے، لنگڑے اور کوڑھی ہوگئے۔

تینوں مسافر سکتے میں آگئے۔

کیا تمہیں کوئی مرض نہیں ہے—؟

کوڑھی کے لہجے میں طنز تھا۔

نہیں ـــ میں ٹکٹ چیکر ہوں، اپنی شناخت کا جائزہ لیتا رہتا ہوں اس لئے امراض سے دور ہوں۔ مرض پیدا ہونے کے آثار ہوں تو فوراً تدارک کر لیتا ہوں۔ نہ میری آنکھوں کے ساتھ مسئلہ ہے نہ میرے کان خراب ہیں، نہ میرے چہرے پر زخم ہیں اور نہ قدموں میں لڑکھڑاہٹ ہے۔ میں بھی نوع آدم کا ایک فرد ہوں مگر بابا آدمؑ کے ورثے کو نہیں بھولا۔

کیا تم انسان ہو ـــ؟

اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ـــ میں آدمی نہیں ہوں۔ آدمی اسفل میں رہتا ہے اور انسان اعلیٰ مقام کا مکین ہے۔ میں اللہ کو یاد کرتا ہوں، اللہ کا ذکر کرنے والا جس عالم میں ہو، وہ عالم اس کے لئے جنت بن جاتا ہے۔

وہ تینوں اپنے امراض بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بیمار شخص نے جسم میں توانائی محسوس کرتے ہوئے کہا، سفر میں پہلی مرتبہ تازہ ہوا کا جھونکا آیا ہے۔ ٹکٹ چیکر صاحب! آپ پہلے آجاتے تو پانی مل جاتا، بہت پیاسا ہوں، کیا پانی مل سکتا ہے ـــ؟

سفید یونیفارم میں ملبوس شخص فوراً اٹھا اور مسافر کے لئے پانی کا انتظام کیا۔ پانی پی کر جان میں جان آئی تو بولا، اللہ نے آپ کو ہمارے لئے فرشتہ بنا کر بھیجا ہے۔

ٹکٹ چیکر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا، انسان کا درجہ فرشتوں سے اعلیٰ ہے۔ تم لوگوں کے چہروں پر مایوسی ہے۔ علمائے حق فرماتے ہیں،

"مایوسی اور پریشان خیالی راستے کا اتار چڑھاؤ ہیں۔ مسافر سفر کرتا ہے تو اسے طوفان، گرد و غبار اور تکان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ حقیقی مسافر وہ ہے جو منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ اس کا مقصد منزل کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا اور منزل چوں کہ سامنے نہیں ہے اس لئے وہ ہر حال میں چلتا رہتا ہے۔"

وہ تینوں اپنے اور آنے والے کے درمیان فرق کو سمجھ رہے تھے۔ انہیں اس کے اعتماد نے متاثر کیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا علم عطا کیا ہے اور بہترین صناعی قرار دیا ہے۔ صفات کا علم انسان کی پہچان ہے۔ آدم نے اللہ کے حکم پر فرشتوں کے سامنے انہی صفات کا مظاہرہ کیا تھا اور یہی مظاہرہ زندگی ہے۔ دنیا ہمیں ظاہر سے پہچانتی ہے لیکن اللہ ہماری نیت دیکھتا ہے۔

نقاب پوش پژمردہ آواز میں بولا، میری ظاہری پہچان مٹ چکی ہے پھر باطن کا سفر کیسے کروں۔

ٹکٹ چیکر نے کہا، ظاہری نقص یا خرابی سے اصل شناخت ختم نہیں ہوتی۔ میرا یونیفارم پھٹ جائے تو کیا میں ٹکٹ چیکر نہیں رہوں گا؟ لباس ضروری ہے لیکن میں اپنے کام کے لئے لباس کا پابند نہیں ہوں۔ پہچان عمل سے ہوتی ہے۔ کسی عضو میں نقص پیدا ہونا زندگی میں ایک واقعہ ہو سکتا ہے، اسے پوری زندگی پر محیط کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ دن رات محاسبہ کرو اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔ تازہ ہوا کو اندر آنے دو۔ منفی سوچ اور خود ترسی کے غار سے نکل آؤ ورنہ گھٹن در گھٹن زیادہ

ہوجائے گی۔اللہ کی عطا کردہ صفات تمہاری پہچان ہیں۔اس پہچان سے زندگی کا سفر جاری رکھو۔وہ بات مکمل کر کے دوسرے کمپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ٹکٹ چیکر کے جاتے ہی لنگڑا مسافر معذوری کے غم میں اور اندھا اندھیرے میں گم ہوگیا البتہ کوڑھ سے متاثر نقاب پوش نے توجہ باہر سے ہٹا کر اندر مرکوز کردی تھی۔باہر کی طرح اندر بھی گھپ اندھیرا تھا۔ گھبرا کر آنکھیں کھول لیں۔ٹکٹ چیکر نے کہا تھا کہ چہرہ ہماری اصل شناخت نہیں ہے۔کیا یہ بات صحیح ہے؟ آنکھیں بند کر کے خود کو دیکھنے کی کوشش کی تو اسے کوڑھ زدہ چہرہ نظر نہیں آیا اور وہ مطمئن ہوگیا۔اب اصل شناخت تلاش کرنا تھی۔

باہر سیاہی پھیل کر بتدریج ہلکی ہورہی تھی۔سیاہی جب ہلکی ہوتی ہے تو رات دن بن جاتی ہے۔ریل گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی—اگلا اسٹیشن قریب تھا۔

پلیٹ فارم پر شور بلند ہوا۔نئے مسافر سامان لئے بوگی میں داخل ہونے کے منتظر تھے اور پرانے مسافر اتر رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد سیٹی بجی اور گاڑی اگلی منزل کی طرف بڑھ گئی۔باہر دور دور تک روشنی پھیل رہی تھی۔ یہ صبح نو تھی—وہ صبح جس کی تلاش میں مسافر نکلتے ہیں، بعض راستے کی طوالت کے سبب مایوس ہوکر ہمت ہار دیتے ہیں اور بعض ثابت قدم رہتے ہیں۔

احساس کم تری

یہ قصہ مارشل آرٹس کی تعلیم حاصل کرنے والے ایک نوجوان کا ہے۔ماسٹر صاحب صحن میں مشقوں کا جائزہ لے رہے تھے۔دیکھا ایک کم عمر طالب علم دوسرے طالب علموں کی موجودگی کی وجہ سے گھبراہٹ کا شکار ہے اور مشق درست کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے۔ اضطراب چہرے پر نمایاں ہوا تو وہ پاس گئے اور کندھا تھپتھپاتے ہوئے پوچھا، بیٹا! کیا مسئلہ ہے؟ طالب علم نے کہا، مجھے نہیں معلوم۔کوشش کے باوجود کامیابی نہیں ہورہی۔

ماسٹر صاحب نے جان لیا تھا کہ یہ دوسروں سے متاثر ہوگیا ہے۔انہوں نے کہا، مشق میں مہارت کے لئے تمہیں ہم آہنگی کو سمجھنا ہوگا۔میرے پیچھے آؤ۔

دونوں عمارت سے نکلے اور جنگل کا رخ کیا۔چلتے چلتے ایک چشمے پر رکے۔کچھ دیر خاموشی کے بعد ماسٹر صاحب نے کہا، چشمے کو دیکھو۔اس میں جگہ جگہ پتھر ہیں، کیا پانی مضطرب ہوکر پتھروں سے ٹکریں مار رہا ہے—؟ نہیں! پانی پتھروں کے اوپر اور دائیں بائیں سے ہوتا ہوا بہتا چلا جاتا ہے، پانی بن جاؤ پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم آہنگی کیا ہے۔

نوجوان کو ماسٹر صاحب کی بات سمجھ میں آگئی۔وہ جلد دیگر شاگردوں کے اثر سے باہر آگیا۔اب مہارت کے لئے راہ میں کوئی مشکل نہیں تھی۔

عائشہ سید
(امریکا)

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

آرچ ڈیوک کی موت کی وجہ سے تقریباً 16 ملین (ایک کروڑ 60 لاکھ) افراد ہلاک اور 21 ملین (دو کروڑ 10 لاکھ) زخمی ہوئے۔

1960ء کا ذکر ہے، امریکی ریاست میساچوسٹس میں عام لوگوں کے لئے یہ معمول کا دن تھا مگر سائنسی دنیا میں افراتفری تھی۔ وجہ میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (MIT) کے ماہر موسمیات اور ریاضیات ایڈورڈ لورنز کی شائع ہونے والی تحقیق تھی۔

ایڈورڈ لورنز موسم کی پیشین گوئی کے حوالے سے کسی سافٹ ویئر پر کام میں مشغول تھا۔ اس پر انکشاف ہوا کہ اعداد میں چھوٹی سے چھوٹی تبدیلی کا اثر موسم کی پیشین گوئی کو یکسر تبدیل کر رہا ہے۔

محقق کو حیرت تھی کہ کیا معمولی تبدیلی کسی شے یا ماحول پر مکمل طور پر اثر انداز ہو سکتی ہے—؟

اس نے اسے Butterfly Effect کا نام دیا۔

تتلی نرم و نازک اور دلکش رنگوں سے مزین چھوٹا کیڑا ہے۔ کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ تتلی کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ ماحول میں نظام کو متاثر کر سکتی ہے لیکن نظام متاثر ہوتا ہے۔ تتلی کے پر جب پھڑ پھڑاتے ہیں تو یہ حرکت کہیں سے آتی ہے، جن راستوں سے گزرتی ہے وہاں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اور ارتعاش کے اثرات ہوتے ہیں۔

محقق پر فطرت کا راز منکشف ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق چاہے تتلی کیوں نہ ہو، اس کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے فضا میں ہوا کے مولیکیولز (سالمات) متاثر ہوتے ہیں اور Ripple Effect (تاثیرِ تموج) پیدا کرتے ہیں۔ تاثیرِ تموج کے معنی لہروں کی طرح اثر پیدا کرنا ہے۔ جیسے تالاب میں کوئی حرکت رونما ہوتی ہے تو اس کے اثرات تہ سے لے کر سطح تک دائرہ در دائرہ تالاب میں پھیل جاتے ہیں۔ محقق نے سمجھا کہ معمولی حرکت سے بڑی موسمیاتی تبدیلی واقع ہو سکتی ہے جیسے آندھی، طوفان یا جھکڑ۔ لورنز اور دیگر ماہرین مزید تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچے کہ تاثیرِ تموج کا اثر صرف موسم پر نہیں ہوتا بلکہ کائنات میں متعدد نظاموں میں معمولی اثر کے غیر معمولی نتائج ہو سکتے ہیں۔ محققین نے نظریے کو تسلیم کیا اور Chaos theory*

---

* Chaos (شورش، افراتفری، بدنظمی، بے ترتیبی)

(نظریۂ شواش) کا نام دیا۔ یہ نظریہ ایسے مظاہرات کے بارے میں بحث کرتا ہے جن کو کنٹرول کرنا اور جن کے بارے میں پیشین گوئی کرنا ممکن نہیں۔

نظریۂ شواش کو سمجھنے کے لئے مضمون میں دی گئی تصویر دیکھئے۔ اس نظریے کے تحت کائناتی گراریاں اثر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم گراری A کو معمولی حرکت دیں تو گراری B اور C میں بھی حرکت معمولی ہوگی۔ نظریے کے مطابق نظام کائنات میں معمولی حرکت پیدا ہونے سے اثرات غیر معمولی ہوسکتے ہیں۔ جیسے گراری A میں چھوٹی حرکت مشین کے افعال کو بڑے پیمانے پر متاثر کرسکتی ہے۔ گراری A دیگر گراریوں میں چھوٹی ہے، اس کی رفتار بڑھانے سے دوسری گراریوں میں دباؤ کا ایک سلسلہ شروع ہوجائے گا جس سے وہ ٹوٹ سکتی ہیں۔ نتیجے میں مشین خراب ہوجائے گی۔ یہ معمولی حرکت کا غیر معمولی اثر ہوا۔ اس طرح حال میں معمولی تبدیلی کے نتائج مستقبل میں غیر معمولی ہوسکتے ہیں۔

روحانی نکتہ: سائنس جس کو معمولی حرکت کا غیر معمولی نتیجہ کہتی ہے، روحانی ماہرین اس کے برعکس دیکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بظاہر حرکت معمولی ہے لیکن اس عمل میں مخفی توانائی، جو نتیجہ سامنے آیا ہے اس کے برابر ہے۔ نتیجہ شے کی ماہیت کے بجائے، اس میں موجود توانائی

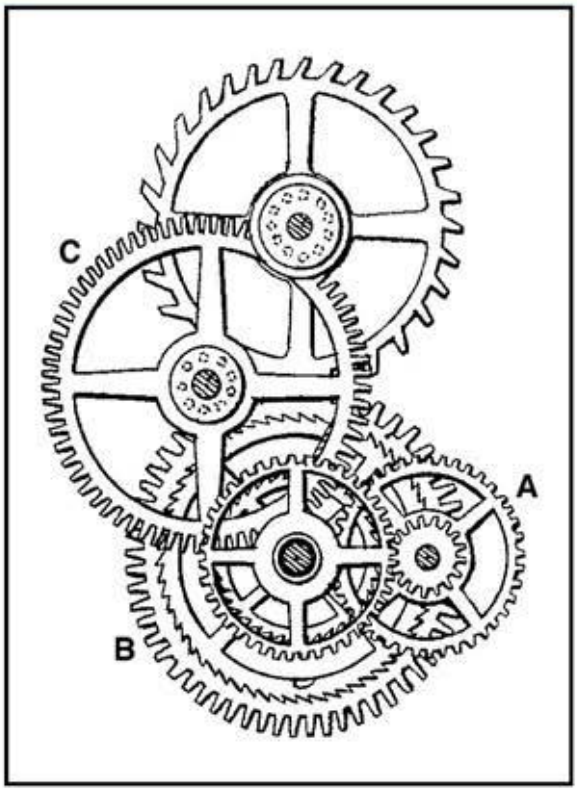

کے اعتبار سے ہوتا ہے کیوں کہ کائنات معین مقداروں پر قائم ہے اور یہاں ہر عمل کا اسی کے موافق ردعمل ہے۔

مثال کے طور پر گاڑی کے ایکسیلیریٹر پر مسلسل ہلکا دباؤ بڑھانے سے رفتار بڑھتی جاتی ہے جس سے حادثہ پیش آسکتا ہے۔ ایکسیلیریٹر پر دباؤ بے شک ہلکا لیکن مستقل ہے۔ دوسری طرف سڑک پر ایک نہیں، کئی گاڑیاں مختلف رفتار سے چل رہی ہیں، ان میں لوگ بیٹھے ہیں اور ٹریفک کے قوانین ہیں۔ ایسے میں وہ ڈرائیور جس نے یکساں لیکن متواتر رفتار رکھی، دوسری گاڑیوں سے ٹکرائے گا اور متعدد جانیں متاثر ہوسکتی ہیں۔ نقصانات کا سلسلہ یہاں رکے گا نہیں بلکہ حادثے کی زد میں آنے والے لوگوں سے منسلک تمام لوگوں پر اثرات مرتب ہوں گے کیوں کہ فرد محض فرد نہیں، نظام سے وابستہ ہے۔

نظریۂ شواش کے مطابق یہ ہلکے دباؤ کا بڑے پیمانے پر اثر ہے۔ حقیقی نگاہ سے دیکھیں تو ایکسیلیریٹر پر دباؤ ہلکا لیکن اثر کے اعتبار سے غیر معمولی تھا۔

تاریخ میں لاشمار واقعات رونما ہو چکے ہیں کہ جب بظاہر چھوٹے واقعے کا انتہائی ردعمل ہوا۔

ایک مثال جنگ عظیم اول ہے۔ جون 1914ء میں سلطنت آسٹرو ہنگارستان (Austro-Hungarian) کا وارث آرچ ڈیوک فرانز فرڈیننڈ اپنی بیوی کے ساتھ بوسنیا گیا۔ ان دنوں بوسنیا اور آسٹریا کا الحاق ہوا تھا۔ سربیا کا ایک گروہ الحاق کے خلاف تھا، اس نے مشتعل ہو کر آرچ ڈیوک کے قافلے پر حملہ کر دیا۔ قافلے میں چند محافظ زخمی ہوئے، آرچ ڈیوک محفوظ رہا۔ حملہ آور فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ حملہ آوروں میں سے ایک گیوریلو پرنسپ نے ناکامی پر غم غلط کرنے کے لئے کیفے کا رخ کیا۔ اس دوران ڈیوک نے زخمی محافظوں کی عیادت کا ارادہ کیا۔ قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ آرچ ڈیوک کے ڈرائیور نے غلط موڑ کاٹا اور گاڑی اس کیفے کے سامنے آ گئی جہاں گیوریلو پرنسپ موجود تھا۔ معلوم ہوا کہ گاڑی آرچ ڈیوک کی ہے تو اپنی قسمت پر یقین نہیں آیا۔ اس نے گولیاں چلا دیں۔ آرچ ڈیوک بیوی سمیت موقع پر ہلاک ہو گیا۔

آسٹریا میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ سربیا کے ایک شخص نے ان کے مستقبل کے حکمران کو ہلاک کر دیا ہے۔ بدلہ لینے کے لئے آسٹریا نے سربیا پر حملہ کر دیا۔ سربیا کے اتحادی ملک روس نے آسٹریا کے حملے کا جواب دیا۔ ادھر آسٹریا کے اتحادی ملک جرمنی نے روس سے جنگ کا اعلان کر دیا اور بیلجیم کے راستے روس کے اتحادی ملک فرانس پر حملہ کرنے گیا۔ یہ سب دیکھتے ہوئے برطانیہ بھی میدان میں آیا اور بیلجیم کے دفاع کے لئے جرمنی سے جنگ کا اعلان کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر آرچ ڈیوک کا ڈرائیور غلط موڑ نہ کاٹتا تو ــــ؟ اگر اس کی جگہ آسٹریا کا عام آدمی قتل ہوتا تو کیا تب بھی یہی ردعمل ہوتا ــــ؟

عام شخص ہلاک ہو یا بااثر شخصیت ــــ نتیجے میں عالمی جنگ چھڑنا غیر دانش مندانہ عمل ہے۔ نظریۂ شواش کے تحت دیکھا جائے تو ایک شخص کی بیوی سمیت ہلاکت سے جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ وہ شخص کسی ملک کے مستقبل کا حکمران تھا۔ اس ملک نے بدلہ لینے کا فیصلہ کیا، دوست ممالک نے ساتھ دیا۔ دوسری طرف دفاع کے لئے بھی یہی صورت حال پیدا ہوئی۔ یعنی جو شخص ہلاک ہوا، وہ بظاہر ایک تھا مگر اثر کے اعتبار سے کئی ممالک سے منسلک تھا اور سب کا مفاد ایک دوسرے سے وابستہ تھا۔ ڈرائیور (جس کا نام نہیں معلوم) کے غلط موڑ کاٹنے سے الم ناک واقعات کا آغاز ہوا۔ ایک مہینے کے اندر پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور تقریباً چار سال (1914-1918) جاری رہی۔

اس طرح آرچ ڈیوک کی موت کی وجہ سے تقریباً 16 ملین (ایک کروڑ60لاکھ) افراد ہلاک اور21 ملین (دو کروڑ10 لاکھ) زخمی ہوئے۔ پوری دنیا میں افراتفری پیدا ہوئی، کئی سلطنتیں اور شاہی خاندان تباہ ہوئے، کمیونزم (اشتراکیت) کو عروج ملا اور — اس جنگ میں ایک زخمی جرمن فوجی اڈولف ہٹلر، سالوں بعد جرمنی کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کھڑا ہوا اور جنگ عظیم دوم کی راہ ہموار ہوئی۔

بٹر فلائی ایفیکٹ ایک محقق کا نظریہ ہے جس کی استعداد کے مطابق اس پر حقیقت منکشف ہوئی۔ محقق نے اس نظریے میں صرف افراتفری کا زاویہ دیکھا جب کہ کائنات میں ہر عمل کا اس کے موافق ردعمل ہے جو لمحے سے بھی کم وقت میں پوری کائنات میں پھیلتا ہے۔

کائنات میں کارفرما قوانین، قاعدے اور ضابطے معین ہیں، ان میں ترتیب اور باقاعدگی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی پیمائش مثلاً 0.0001 سے لے کر 0.0002 یا اس سے بھی چھوٹی مقدار سے شے کی ہیئت بدل جاتی ہے اور عمل کے اثر کو کئی گنا بڑھا سکتی ہے۔ اس واقعے کے نتائج جن چیزوں سے منسلک ہیں، وہ سب متحرک ہوجاتے ہیں۔ اگر کائنات کی تخلیق اور نظام کو چلانے کے لئے مقداروں میں ذرہ بھر عدم توازن ہوتا تو بگاڑ کی لہروں کے اثرات پھیلتے رہتے اور دنیا کا نظام اتنے کامل انداز میں رواں دواں نہ ہوتا۔

”جس نے تہ در تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کا خلل نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو! کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔“ (الملک:۳۔۴)

ہم معین مقداروں کے مالک، خالق کائنات، اللہ رب العالمین کے حضور سربسجود ہیں کہ باری تعالیٰ نے ہمارے لئے منظم اور بہترین نظام بنایا ہے جس میں ہر شے کاملیت کے ساتھ قائم اور جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم نے پوری کائنات کو متحرک کر دیا اور سارے وسائل حرکت میں آ گئے۔

زمین کے ایک حصے پر کسان فصل بوتا ہے جو دوسرے حصے پر موجود شخص کی خوراک بنتی ہے۔ غذا کے ایک خطے سے دوسرے خطے تک پہنچنے میں لاشمار وسائل زیر بحث آتے ہیں، زنجیر ہے جو کڑی در کڑی کائنات میں پھیلی ہوئی ہے۔ نہ جانے کس عالم میں حرکت ہوتی ہے اور اِس عالم میں موجود کسان اس حرکت (خیال) پر عمل کرتے ہوئے زمین میں بیج بوتا ہے۔

حاملِ علمِ لدنّی حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

”جب ذہن میں کوئی خیال آتا ہے تو اس کا کوئی کائناتی سبب ضرور موجود ہوتا ہے۔ خیال کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ذہن کے پردوں میں حرکت ہوئی ہے۔ یہ حرکت ذہن کی ذاتی حرکت نہیں ہوتی۔ اس کا تعلق کائنات کے ان تاروں سے ہے جو کائنات کے نظام کو ایک خاص ترتیب میں حرکت دیتے ہیں۔ مثلاً جب

ہوا کا کوئی تیز جھونکا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ کرۂ ہوائی میں کہیں کوئی تغیر واقع ہوا ہے۔"

(کتاب: تذکرہ قلندر بابا اولیاؒ)

اللہ تعالیٰ نے پورا نظام توازن کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اس نظام کی ہر لے اور جز ہم آہنگ ہے، اس میں ذرّہ بھر بے اعتدالی نہیں ہے۔

"پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں سے تخلیق کی اور ان مقداروں کی ہدایت بخشی۔" (الاعلیٰ: ۱۔۳)

ہم فطرت کا جتنا زیادہ مطالعہ کرتے ہیں، یہ بات روشن ہوتی ہے کہ ہر شے کا مخصوص فارمولا ہے اور فارمولے کے تحت مظاہرہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر پانی آکسیجن سے بنتا ہے تو آکسیجن اور ہائیڈروجن کی بانڈنگ کے دوران ان کے ایٹموں کی تعداد میں "معمولی" اضافے سے فارمولا بدل جائے گا اور پانی کے بجائے دوسرا مادہ بنے گا جو زہریلا ہوسکتا ہے۔ اگر یہ تبدیلی معمولی ہوتی تو شے کی ہیئت نہیں بدلتی۔

عمل کتنا معمولی کیوں نہ ہو، دائرہ در دائرہ بن کر اپنے اندر توانائی کے مطابق تبدیلی کا محرک ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے نتیجہ فوری سامنے نہ آئے یا ہماری زندگی میں اس کے اثرات مظہر نہ بنیں لیکن اثرات مرتب ہوتے ہیں اور آنے والی نسلیں فائدہ یا نقصان اٹھاتی ہیں۔

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

دوسری طرف برے عمل کے بھی دور رس نتائج ہیں۔ معمولی بات پر جھوٹ بولنا بیج بونے کے مترادف ہے جو ایک روز تناور درخت بن جاتا ہے۔ کیا ایک بھی جھوٹ معمولی ہوسکتا ہے جب کہ اس سے کئی زندگیاں برباد ہوجائیں — ؟ اس جھوٹ میں اتنی طاقت تھی کہ اس نے متعلقہ افراد کو اثر کے اعتبار سے نقصان پہنچایا۔

ہم نے اپنے ذہن کو اس طرز پر استوار کرلیا ہے کہ اپنی عادات اور معمول کے واقعات کو معمولی یا غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہوا، ایک جھوٹ ہی تو بولا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ عمل اور عمل سے اعمال کے اثرات یکجا ہوکر دیرپا نتائج پیدا کرتے ہیں اور بعض دفعہ ہم جاننے سے قاصر رہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا حالاں کہ ہم اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے،

"تم پر جو مصیبت آئی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے اللہ ویسے ہی درگزر فرماتا ہے۔" (الشوریٰ: ۳۰)

غلطیاں جانتے بوجھتے سرزد ہوتی ہیں اور انجانے میں بھی۔ سوچیں کہ بظاہر آرچ ڈیوک کے ڈرائیور کے غلط موڑ کاٹنے سے جنگ عظیم اول شروع ہوئی اور جنگ عظیم دوم کے حالات پیدا ہوئے۔ ایسے واقعات بظاہر اتفاق یا حادثات معلوم ہوتے ہیں لیکن صاحبِ عقل و دانش جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی عمل اتفاق

نہیں، ہر عمل کی مقدار معین ہے۔

''پھر جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرّہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال: ۷۔۸)

کتنے کام سوچے بغیر سوچے ہم روزانہ کرتے ہیں، ہمارے عمل سے خارج ہونے والی لہریں کائنات میں پھیلتی ہیں اور ان کے اثرات سے ہمیں اور دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ پھر ہم اللہ سے شکایت کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ جب کہ یہ ہماری کور چشمی ہے جو عمل کے نتائج کو دیکھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرنی چاہئے اور استغفار پڑھنا چاہئے۔

مادی دنیا کے آلات سے ماضی اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھنا اور یہ اخذ کرنا کہ آئندہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے ممکن نہیں۔ اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے لیکن مادی آلات کی مدد سے حتمی بات کہنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین کے نظریات بدلتے اور مسترد ہوتے رہتے ہیں اور اعداد میں معمولی کمی بیشی سے پیشین گوئیوں میں انتہائی فرق سامنے آجاتا ہے۔ ایسا ہوچکا ہے، ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مادی آلات استعمال کرتے ہوئے جب بھی اعداد و شمار کئے جائیں گے، اس میں ہمیشہ نقص رہے گا کیوں کہ ناپ تول کے پیمانے اور نمبر شمار محدود ذہن کے اخذ کردہ ہیں۔

اچھا ہوتا اگر محققین بٹر فلائی تھیوری کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے کہ جب اعداد و شمار میں چھوٹی تبدیلی اُن کے اخذ کردہ نتائج کو یکسر تبدیل کررہی ہے تو پھر ہر شعبے میں کی جانے والی پیشین گوئیاں کیا ہوئیں اور اس کائنات کو کون چلا رہا ہے۔۔۔؟

یہ تغیر کیسے عمل میں آرہا ہے اور اس تغیر میں تغیر کیوں نہیں ہے۔۔۔؟

تغیر کے باوجود نظام کائنات معین ضابطوں اور قاعدے کے ساتھ کس طرح قائم ہے۔۔۔؟

مادی حواس سے مادی دنیا کو گرفت میں لینا اس لئے ممکن نہیں کہ اس کی منصوبہ بندی لامحدود زون میں ریکارڈ ہے اور حرکت کا نزول لامتناہی زون سے ہورہا ہے۔ نظریۂ شواش کے نتائج ہماری محدودیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ محدود ذہن کائنات کو مادی آلات کے ذریعے دیکھنے کی کوشش میں، اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔

خالق کائنات کو مرکزیت بنا کر تحقیق و تلاش اور تفکر کیا جائے تو ایسا وقت بھی آتا ہے جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں محدودیت کی سرحد ختم ہوتی ہے اور لامحدودیت کا زون شروع ہوجاتا ہے۔

''اس سے ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرّے سے بڑی نہ اس سے چھوٹی۔ سب کچھ کتابِ مبین میں درج ہے۔''

(سبا: ۳)

خوش بو

زبانی طور پر سب دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اپنے محبوب سے محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو قول میں سچے ثابت نہیں ہوتے۔

ایمان ایسا جوہر ہے جس کی چاشنی اور حلاوت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ ہے مگر یہ حلاوت اور چاشنی اس بندے کو حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ وہ بندہ جو اللہ سے زیادہ کسی اور کو عزیز رکھتا ہے، اللہ کا سچا بندہ اور شیدائی نہیں ہے۔

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی وہ چیزیں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہیں۔'' (آل عمران: ۹۲)

جب ہم محبت کا تذکرہ کرتے ہیں تو محبت ہم سے کچھ تقاضے کرتی ہے اور وہ تقاضا یہ ہے کہ محبت ہمیشہ قربانی چاہتی ہے، ایثار مانگتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ محبت ایسی قلبی کیفیت ہے جو ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن فرد کا عمل شہادت فراہم کرتا ہے کہ اس کے اندر محبت کا سمندر موجزن ہے یا نہیں۔

زبانی طور پر سب دعویٰ کرتے ہیں کہ میں اپنے محبوب سے محبت کرتا ہوں لیکن جب ایثار اور قربانی کا وقت آتا ہے تو قول میں سچے ثابت نہیں ہوتے۔ یہ محبت قابل تسلیم نہیں سمجھی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سب سے محبت کرتا ہے مگر جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے، وہ اللہ کے خاص بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اللہ ایسے شخص کے دل میں محبت بھر دیتا ہے۔ محبت کی یہ خوش بو جب آسمان کی رفعتوں کو چھوتی ہے تو آسمان والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب محبت کی یہ خوش بو زمین کی سمتوں کو محیط ہو جاتی ہے تو زمین پر بسنے والا ہر فرد خواہ وہ انسان ہو، پرندہ ہو، چرندہ ہو، درندہ ہو، اس شخص سے والہانہ محبت کرتا ہے۔

سرورِ کونین حضرت محمدؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیلؑ کو بلا کر کہتا ہے میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبرئیلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور عالم آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے

بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لئے زمین والوں کے دلوں میں قبولیت اور عقیدت پیدا کردی جاتی ہے۔"

جب اللہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ اللہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت ہی تو ہے کہ اللہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے طرح طرح کے وسائل پیدا کرتا ہے۔ اس نے زمین کو حکم دے رکھا ہے کہ میری مخلوق کے لئے انواع واقسام کی غذائیں پیدا کر۔ سورج کو حکم دیا ہے کہ فضا کو مسموم ہونے سے محفوظ کردے کہ میری مخلوق بیمار نہ ہوجائے۔

اس نے چاند کو حکم دیا ہے کہ اپنی ٹھنڈی کرنوں سے پھلوں میں شیرینی پیدا کرتا کہ میری مخلوق خوش نما، خوش ذائقہ اور شیریں پھل کھاتی رہے۔

اللہ نے ہوا کو حکم دیا ہے کہ سبک خرامی کے ساتھ چلتی رہ تا کہ میری مخلوق کی زندگی میں کام آنے والی بنیادی شے آکسیجن (Oxygen) فراہم ہوتی رہے۔

اللہ نے زمین کو اتنا سخت نہیں بنایا کہ آدمی جب اس پر چہل قدمی کرے تو اس کے پیر دکھ جائیں، نہ زمین کو اتنا نرم بنایا ہے کہ جب مخلوق زمین پر چلے تو اس کے پیر دھنس جائیں۔ یہ اللہ کی محبت ہی تو ہے کہ اس نے اپنی قدرت کو پابند کردیا ہے کہ وہ ایک توازن کے ساتھ، معین مقداروں کے ساتھ مخلوق کی پرورش کرتی رہے۔

یہ ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والی ہستی کی رحمت ہے کہ اس نے ماں کے دل میں بچے کی محبت اس طرح پیوست کردی کہ ماں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بچے کے اندر انڈیلتی ہے اور پھر بھی خوش ہے۔

یہ اللہ کی محبت ہی تو ہے کہ اس نے اپنی مخلوق کو آگ کی جھلسا دینے والی تپش سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک نظام بنایا اور اس نظام سے اپنی مکلف مخلوق کو متعارف کرانے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔

اس سے زیادہ محبت کی کیا مثال ہوسکتی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب حضرت محمدؐ کو دنیا میں بھیجا۔

اللہ جب کسی سے محبت کرتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ مخلوق بھی اللہ سے محبت کرے۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں،

"جب ایک بندے نے اللہ کے لئے کسی بندے سے محبت کی تو اس نے اپنے رب کی تعظیم کی۔"

محبت — محبوب کی اطاعت ہے، اپنی نفی کردینے کا جذبہ ہے۔ اس کے بغیر محبت قبولیت کے درجے میں داخل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔"

(محمد: ۳۳)

حضرت محمدؐ — اللہ کے محبوب ہیں۔ اللہ سے محبت کے دعوے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب ہم اللہ کے محبوبؐ کی سیرتِ طیبہ کو حرزِ جاں بنالیں۔

★ قارئین! بتایئے یہ کس کی تحریر ہے؟

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

90 دن

(نام اور شہر لکھنے کی اجازت نہیں): میں کھیل کے شعبے سے منسلک ہوں۔ مختلف مقامات پر کھیلوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ بین الاقوامی اور بیرون شہر دوروں کے دوران لوگوں سے بات ہوتی ہے، اخبار و جرائد اور ٹی وی چینل انٹرویو کے لئے آتے ہیں۔ اپنے شعبے سے متعلق سیر حاصل معلومات رکھتا ہوں لیکن کسی سے بات کرتے ہوئے، خاص طور پر انٹرویو کے دوران ذہن خالی ہوجاتا ہے اور کچھ یاد نہیں رہتا۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ مجھے بات کرنا نہیں آتی۔ چند سال پہلے آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس بار خط کے ذریعے حاضر ہوا ہوں۔

جواب: وقت مقرر کرکے روزانہ قدّ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوں اور اپنا عکس دیکھتے ہوئے ذرا بلند آواز میں باتیں کریں۔ دس منٹ تک جو خیال ذہن میں آئے، آئینے میں دیکھ کر کہتے رہیں۔ اس دوران جملوں کو شعوری طور پر ترتیب دینے کی کوشش نہ کریں۔ مشق کی مدت 90 روز ہے۔ ناغہ نہ ہو۔ گفتگو میں روانی آجائے گی، انشاءاللہ۔ کھانے میں مٹھاس بڑھادیں۔

بری صورت ــــ اچھی صورت؟

م۔ج (کراچی): میری شادی ہونے والی ہے۔ شکل وصورت اچھی ہے، ہاتھ بدصورت ہیں اور انگلیوں کے جوڑوں کا رنگ گہرا ہے۔ مخروطی انگلیاں پسند ہیں جب کہ میری انگلیاں موٹی، ٹیڑھی اور بھدّی ہیں۔ ہاتھ کی انگلیوں پر بال نہیں ہیں لیکن پیروں کی انگلیوں پر بڑے بڑے بال ہیں جو مردانہ لگتے ہیں۔ گرمی سردی میں موزے پہنے رکھتی ہوں کہ کہیں لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ اپنا آپ کم تر محسوس ہوتا ہے۔ مہربانی فرما کر نسخہ بتایئے جس سے انگلیاں پتلی اور خوب صورت ہوجائیں اور بال ختم ہوجائیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ شادی مبارک کرے۔ نئے گھر میں خوش وخرم اور آباد رکھے، آمین۔ علاج یہ ہے کہ ایک فٹ چوڑا ایک فٹ لمبا سیسے (Lead) کی پلیٹ کا ٹکڑا زمین پر رکھیں۔ اس کے اوپر دونوں ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔ علاج رات سونے سے پہلے اور صبح سورج طلوع ہونے سے قبل کرنا ہے۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ سیسے کی پلیٹ پر جب ہاتھ رکھیں تو دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہونی چاہئیں۔ نظر انگلیوں پر جمی رہے۔ روزانہ دس

دس منٹ 47 (سینتالیس) دن تک عمل کریں۔ انگلیوں کا ٹیڑھ پن ختم ہو جائے گا، انشاءاللہ۔ انگلیاں کھلیں گی تو بھدا پن بھی دور ہو جائے گا۔

پیروں کی انگلیوں پر بال ہونا کوئی مسئلہ نہیں۔ زیادہ برے لگتے ہیں تو قینچی سے کاٹ دیا کریں۔ احساس کم تری ناپسندیدہ عمل ہے۔ آپ خود کو جس نظر سے دیکھتی ہیں، لہریں دوسروں کو منتقل ہوتی ہیں۔

سیاہ روشنائی

و۔ب (کراچی): شہر کے معروف بازار میں چاندی اور مصنوعی زیورات کی دکان ہے۔ بازار کے وقت کے مطابق دکان کھولتا اور بند کرتا ہوں۔ دن میں 10، 15 گاہک آتے ہیں جن میں خریدار چار یا پانچ ہوتے ہیں۔ بازار کے حساب سے گاہک اور خریدار دونوں کم ہیں۔ کوشش کے باوجود گاہک دکان کا رخ نہیں کرتے۔ دن مایوسی میں گزر جاتا ہے۔ میرے ساتھ ایک ملازم ہے۔ وہ تنخواہ بڑھانے کا تقاضا کرتا ہے، میں نے تھوڑی تنخواہ بڑھا دی ہے جو ایک طرح سے میں اپنی جیب سے دیتا ہوں کیوں کہ آمدنی نہیں ہے۔ ایسا کیا کروں کہ درجنوں گاہک روزانہ آئیں تاکہ خریداری بڑھے اور آمدنی میں اضافہ ہو۔ عاملوں کے پاس نہیں جانا چاہتا، آپ اللہ کے دوست ہیں، جو مشورہ دیں گے، عمل کروں گا۔

جواب: آدھا کلو کوڑیا لوبان (اصلی لوبان) لیں۔ ہلکی ضربیں مار کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ سیاہ روشنائی سے روزانہ نو ٹکڑوں پر نو (۹) کا ہندسہ لکھیں اور عصر اور مغرب کے درمیان لکھے ہوئے لوبان کے ٹکڑوں کی دکان میں چاروں طرف دھونی دیں۔ فارغ اوقات میں کثرت سے یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔ عمل کی مدت 40 روز ہے۔ ہر جمعرات کو حسب استطاعت خیرات کریں۔ انشاءاللہ گاہک آنا شروع ہوں گے اور رزق میں خیر و برکت ہوگی۔

تلووں میں جلن

صادقہ خاتون (ملتان): صبح ہو دوپہر یا رات، کھانا کھانے کے تھوڑی دیر بعد تلووں میں جلن شروع ہو جاتی ہے اور سر بھاری ہو جاتا ہے۔ کام کرنا یہاں تک کہ بیٹھنا اور لیٹنا مشکل ہو گیا ہے۔ پہلے ایسا گرم تاثیر کی حامل غذائیں کھانے سے ہوتا تھا لیکن اب سرد غذائیں کھانے سے بھی یہی تکلیف ہے۔ تلووں میں جلن کی وجہ سے سرد موسم میں موزے یا بند جوتے نہیں پہن سکتی۔ میں وقت بے وقت کھانا نہیں کھاتی۔ مرض کو چھ سال ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹری علاج کیا ہے لیکن—!

جواب: تکالیف ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو پرانا قبض ہے۔ قبض رہنے کی وجہ سے معدے میں گیس بن جاتی ہے۔ جب یہ گیس صعود کرتی ہے تو وہ کیفیات مرتب ہوتی ہیں جن کا آپ نے خط میں اظہار کیا ہے۔ روزانہ صبح نہار منہ نیم کی نبولی کی تین عدد گریاں لیں اور ان کے تین تین ٹکڑے کر دیں۔ ان نو (9) ٹکڑوں کو تین تین کر کے اچھی طرح چبائیں اور اوپر سے ایک گھونٹ پانی پی لیں۔ چند دن کے علاج سے انشاءاللہ شکایت

رفع ہو جائے گی ۔ رات کو سونے سے پہلے ایک ٹیبل اسپون خالص زیتون کا تیل دودھ میں ڈال کر پئیں۔ بادی بواسیر کے مریض یہ علاج کر سکتے ہیں۔

سہارے فریب ہیں

ام ہانی (سکھر): لگتا ہے مجھے نظر لگ گئی ہے۔ انتہائی خوش رہنے والی اور سب کو خوش رکھنے والی لڑکی تھی۔ حالات مشکل رہے یا آسان — بہادری سے اور ہنستے ہنستے سامنا کیا، مایوس ہوئی نہ ہمت ہاری ۔ میں آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ دیکھوں زندگی میں کیا کچھ ہے۔ زندگی کے سفر کو میں نے مہم سمجھ کر گزارا جسے مجھے سر کرنا تھا۔ مگر آج میرے حالات ان باتوں کے بالکل برعکس ہیں۔ میرے اندر یکسر بہت کچھ بدل گیا ہے۔ معمولی باتوں پر گھبرا جاتی ہوں ۔ ذہن میں لوگوں کا خوف رہتا ہے کہ مذاق اڑائیں گے اس لئے محفل میں بات کرنے سے ہچکچاتی ہوں ۔ بات کرتی ہوں تو سر پیر نہیں ہوتا۔ خود اعتمادی تہس نہس ہوگئی ہے۔ اپنی کیفیت کس کو بتاؤں، کوئی سمجھنے والا نہیں ہے۔ مجھے کیا ہو گیا، میں کیوں بدل گئی ہوں؟ مجھے پہلے جیسا بنا دیں۔

جواب: تمام عمر سہاروں پہ آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں

جب تحت الشعور میں کوئی غیر معمولی امید مستحکم ہو جاتی ہے اور حالات ایسے ہوں کہ کوشش کام نہ آتی ہو، دل میں امید زیادہ سے زیادہ قائم ہو چکی ہو اور امید سے دست بردار ہونا طبیعت قبول نہ کرے تو ذہن اس امید پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال واقع ہونے پر امید کے گرد بہت سی امیدیں طواف کرنے لگتی ہیں۔

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

ماہنامہ قلندر شعور فروری 2020ء

اماں کا نام : ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش : ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ : ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن: ..... دستخط : .....

خط و کتابت کا پتہ : .....

..... رابطہ نمبر: .....

مثلاً ایک خاتون چاہتی ہیں کہ میری فلاں سے شادی ہوجائے اسی طرح کوئی صاحب حسبِ دل خواہ شادی کے خواہش مند ہیں۔ امید قائم ہوکر مستحکم ہوجاتی ہے۔ ساری خوشیاں، تمام امیدیں اس ایک امید کے زیر اثر رقص کرتی ہیں۔ فرد سوچتا ہے کہ فلاں سے شادی نہیں ہوئی تو میں برباد ہو جاؤں گا، زندگی تاریک اور عمر رائگاں ہوجائے گی۔ پھر یہاں رہ کر کیا کرنا! ملک چھوڑ کر دیار غیر چلا جاؤں گا۔ خیالات میں شدت پیدا ہونے سے فرد زندگی کے خاتمے کے بارے میں بھی سوچتا ہے وغیرہ۔ جب کسی وجہ سے "مستحکم امید" منقطع ہو جائے تو شعور پر ایسی ضرب پڑتی ہے کہ فرد بعض اوقات ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ تعطل کے نتیجے میں جمود طاری ہوتا ہے جسے سمجھنے سے قاصر رہتا ہے اور معمولی باتوں پر نروس ہو جاتا ہے۔ لوگوں سے کتراتا ہے۔ بات کرنا چاہتا ہے مگر ذہن میں مفہوم کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی قدرت نہیں رہتی۔

حل: چھ انچ لمبا اور چار انچ چوڑا سفید چمک دار آرٹ پیپر لے کر اس پر اوپر سے نیچے تک سیدھی سیدھی لائنوں میں پانچ (۵) کا ہندسہ لکھیں۔ تعداد جتنی بھی ہو کاغذ کو فریم کروالیں۔ فریم میں جو لکڑی استعمال ہو اس کا رنگ کالا ہونا چاہئے۔ فریم ایسی دیوار پر لٹکائیں جہاں آپ کی نظر زیادہ سے زیادہ دیکھ سکے۔ دن رات وقتاً فوقتاً یہ فریم دیکھتی رہیں۔ انشاء اللہ اس طرزِ عمل سے آپ نارمل ہوجائیں گی۔ کتاب "مراقبہ" میں اس مرض کا تفصیلی علاج لکھا ہے۔ اس کے مطابق مراقبہ کریں۔

علمِ حکمت : ہمارے سامنے لوہے کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب ہم لوہے کی صفات کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل ہمارے سامنے لوہے کی صفات سے مرکب بہت سی اشیا آجاتی ہیں۔ لوہے سے چھری بھی بنتی ہے اور لوہے سے وہ پٹری بھی بنتی ہے جس پر ریل چلتی ہے۔ لوہے کی صفات کا ایک عکس چھری اپنے اوصاف پر قائم ہے۔ چھری سے پھل کی قاشیں بنتی ہیں۔ یہ چھری دوسرے مفید اور تعمیری کاموں میں استعمال ہوتی ہے اور اس سے منفی کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح پانی کا ایک وصف یہ ہے کہ اس کے ذریعے بجلی جیسی انرجی وجود میں آرہی ہے۔ پانی کے ذریعے بجلی حاصل کرنا دراصل پانی کا ایک وصف ہے۔ لیکن ابھی محققین پر منکشف نہیں ہوا کہ فی الواقع پانی کیا چیز ہے؟ محققین جن اجزا کو پانی کا مرکب تسلیم کرتے ہیں یا جن اجزا سے پانی بنتا ہے، ان اجزا کو اکٹھا کرنے کے بعد پانی تو بن جاتا ہے مگر اسے قدرتی پانی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کسی چیز کا وصف تلاش کرلینا عقل وشعور میں آسکتا ہے لیکن کنہ معلوم کرلینا آدمی کی شعوری سکت سے باہر ہے۔ پانی فی الواقع کیا ہے اور کن حقیقی اجزائے ترکیبی سے مرکب ہے، اس کا انکشاف ان لوگوں پر ہوتا ہے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب اور حضور پاکؐ کے روحانی علوم کے وارث ہیں۔

حماد علی شاہ

حضرت عیسیٰؑ اور سمندر

حضرت عیسیٰؑ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مقام پر عبادت میں مشغول تھے۔ عبادت کے بعد انہوں نے شاگردوں کو کشتی کے ذریعے روانہ کیا اور خود تنہا پہاڑ پر چڑھ گئے۔ شام ہوئی تو ان کے علاوہ وہاں کوئی بشر نہیں تھا۔ ادھر کشتی سمندر کے بیچ میں پہنچ چکی تھی۔

زندگی کو جاننے کی کوشش میں آدمی نے وقت اور فاصلے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے اور ان ٹکڑوں میں وہ زندگی کے مراحل طے کرتا ہے۔ آدمی سو برس کا کیوں نہ ہو جائے، اس کے لئے زندگی ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی رہتی ہے۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کے رموز کو جاننے کے لئے یہ خود ساختہ تقسیم کس ذہنی رجحان کی عکاسی کرتی ہے — ؟ کیوں کہ یہ طریقہ آج کا نہیں، جب سے زمین پر زندگی شروع ہوئی، رائج ہے۔

آدمی سوچتا کس طرح ہے — ؟ وہ اپنے ذہن میں ایک شے کو توڑتا ہے پھر جوڑتا ہے۔ توڑ کر زندگی گزارتا ہے اور جوڑ کر بتاتا ہے کہ میں نے اب تک اتنے برس زندگی گزار لی ہے۔ وہ ٹکڑوں کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے اور سب کو نام دے کر ایک دوسرے سے الگ سمجھتا ہے۔ کبھی ایک سے دوسرے ٹکڑے میں داخل ہوتا ہے اور کبھی پلٹ جاتا ہے۔ آگے بڑھنے کو وہ مستقبل اور پیچھے جانے کو ماضی کا نام دیتا ہے۔

توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ اس طریقِ کار سے فطرت نے زندگی کے لئے وقت اور فاصلے کی جو پلٹ متعین کی ہے، وہ متاثر نہیں ہوتی، اپنی جگہ پر موجود ہے۔ پھر آدمی کی بنائی ہوئی تقسیم کیا ہوئی اور کیا اس کا کوئی فائدہ ہے — ؟

آدمی نے ظاہر میں وقت اور فاصلے کو تقسیم کیا ہے اور ان کے مختلف نام رکھ دیئے لیکن دراصل یہ باطن میں اپنے ذہن کی تقسیم ہے۔ جیسے سیکنڈ کا کروڑواں حصہ وقت کی ایک اکائی ہے، اسی سیکنڈ کا دوسرا حصہ وقت کی دوسری اکائی ہے۔

★ یہ ساری اکائیاں کیا ہوئیں — ؟

★ ان میں وقت کیا ہے — ؟

★ اگر آدمی ان سب کو ایک سمجھتا ہے پھر ان کے الگ نام کیوں رکھے ہیں — ؟

★ آدمی وقت کے ٹکڑوں میں زندگی گزارتا ہے

مگر یہ نہیں سوچتا کہ ان سارے ٹکڑوں میں وقت ایک جیسا کیوں ہے—؟

تقسیم ہمیشہ ذہن کی صلاحیت کم کرتی ہے اور توانائی کو توڑتی ہے۔ جیسے ایک مٹھی ریت کے ذرّات اٹھا کر کسی پر پھینکیں تو دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ ذرّات فرد تک پہنچنے سے پہلے بکھر جاتے ہیں۔

۲۔ ذرّات لگنے کے باوجود فرد زخمی نہیں ہوتا۔

وجہ یہ ہے کہ ریت کے دانوں کو ایک دوسرے سے الگ سمجھنے سے جہاں ذرّات کی توانائی بکھر گئی وہاں فرد ذرّے میں مخفی توانائی کے استعمال سے واقف نہیں ہے۔ جس طرح تقسیم سے توانائی ٹوٹتی ہے اسی طرح وقت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے سے ذہن کی طاقت کم زور ہوتی ہے اور شک پیدا ہوتا ہے۔

آدمی خریداری کے لئے بازار جانے کی نیت کرتا ہے لیکن تھکن کا سوچ کر ارادہ بدل لیتا ہے اور تھوڑی دیر بعد سوچتا ہے کہ خریداری کے لئے جانا ضروری ہے۔ اسی طرح کھانا کھانے کے بعد وہ کہتا ہے کہ میں مزید کچھ نہیں کھا سکتا لیکن تھوڑی دیر میں احساس ہوتا ہے کہ کھانا کھائے ہوئے کچھ وقت گزر گیا ہے اور وہ ایک بار پھر کچھ کھا لیتا ہے۔

اس جیسے بے شمار افکار اس کی زندگی کے اجزائے ترکیبی ہیں جو اسے ناکام یا کام یاب بناتے ہیں۔ وہ ارادہ کرتا ہے پھر ترک کر دیتا ہے، چاہے یہ منٹوں میں ہو یا گھنٹوں میں۔ اس نے خریداری کی اور کھانا بھی کھایا لیکن ہاں— ناں— ہاں کا فیصلہ تین مرحلوں میں ہوا یعنی توانائی تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہی توانائی ایک نقطے پر رہتی تو ذہنی صلاحیت میں اضافہ ہوتا۔

اقرار، انکار اور پھر اقرار اصل میں ایک ارادے پر قائم نہ رہنا ہے اور اس کی وجہ قیاس ہے۔ قیاس سے شک پیدا ہوتا ہے اور شک نافرمانی کی پیداوار ہے۔ نافرمانی کو بیان کیا جائے تو یہ ذہن کی ایک ساخت ہے جس میں بے سکونی ہے۔ سکون کی عدم موجودگی میں ذہن ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، ہر لحہ نشیب و فراز سے گزرتا ہے۔ ایسے میں آدمی اپنے ذہن کے تغیر کو دوسری اشیا کی تبدیلی پر قیاس کرتا ہے۔

ارادے میں بار بار تبدیلی کیوں ہوتی ہے—؟

آدمی کی طبیعت میں سہل پسندی ہے۔ وہ ہر کام میں آسانی چاہتا ہے، بہت سی باتوں کو دشواری، مشکل، بیماری، بیزاری، بے عملی، بے چینی وغیرہ کہتا ہے اور کام میں رکاوٹ پیدا ہونے پر مایوسی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ ان میں بیش تر کیفیات مفروضات ہیں۔ جیسے،

★ بیزاری عدم دلچسپی کے سبب ہے، دلچسپی کا محرک پیدا ہو جائے تو بیزاری فوراً دور ہو جاتی ہے۔

★ مشکل کتنی بڑی کیوں نہ ہو، سامنا کرنے پر آسان ہو جاتی ہے اور اس کے بعد وہ مشکل نہیں لگتی۔

یہ سب کسی کام کو ٹکڑوں میں انجام دینے کے طریقے

ہیں۔کام اچھا لگے یا نہیں، خوشی یا مجبوری سے یا پھر تاخیری حربے استعمال کر کے بالآخر آدمی وہ کام کر لیتا ہے۔کام ہو جاتا ہے لیکن ذہنی اسراف یہ ہے کہ اس طریقے سے ذہن کی قوت کم زور ہوتی ہے کیوں کہ فرد ارادہ کر کے اس پر قائم نہیں رہتا، بار بار تبدیلی کرتا ہے اور راہ نہ پا کر وہی کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آسانی کی طرف دوڑنا اور کام سے جی چرانا دراصل سمتیں ہیں اور ان سمتوں میں آدمی ہمیشہ خیالات کے ذریعے سفر کرتا ہے۔حرکت کا محور ان سمتوں میں سے ایک سمت ہے۔ہوتا یہ ہے کہ ابھی ایک تدبیر کی، اس کی تیاری کی یہاں تک کہ وہ مکمل ہو گئی، سوچ کی سمت صحیح تھی لیکن صرف چند قدم چلنے کے بعد ذہن میں تبدیلی ہو گئی، چناں چہ آدمی جس منزل کی طرف رواں تھا وہ غیب میں چلی گئی، اور اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔اب وہ دوسرے خیال کے بارے میں سوچ رہا ہے جس کا حال کم و بیش پہلے ارادے جیسا ہو گا۔

تحریر کا مفہوم یہ نہ لیا جائے کہ آدمی فیصلوں اور رویوں پر نظر ثانی نہ کرے، مقصد یہ ہے کہ ارادے کی تبدیلی کا رویہ ہر عمل میں نہیں اپنانا چاہئے کیوں کہ اس سے ذہن کم زور ہوتا ہے اور شک کی راہ کھل جاتی ہے۔

ان کیفیات کے بالمقابل ایک کیفیت کا نام سکون ہے۔اس میں فرد حالات کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔اس کے ذہن میں کئی خیالات آتے ہیں جس میں ارادے کی تبدیلی کا خیال بھی شامل ہے لیکن وہ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹتا اور خیالات کے دریا میں سے ان لہروں کو منتخب کر لیتا ہے جو اسے منزل پر پہنچا دیں۔اس طرح وہ اپنے فیصلے کو بدلتے حالات کے تناظر میں ڈھالنا سیکھ لیتا ہے۔

یہ شک اور یقین سے متاثر ذہن کا ذکر ہے۔

شک فرد کو ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے،

یقین ہر رکاوٹ دور کر کے راستہ ہموار کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ سے متعلق انجیل میں واقعہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک مقام پر عبادت میں مشغول تھے۔عبادت کے بعد انہوں نے شاگردوں کو کشتی کے ذریعے روانہ کیا اور خود تنہا پہاڑ پر چڑھ گئے۔شام ہوئی تو ان کے علاوہ وہاں کوئی بشر نہیں تھا۔ادھر کشتی سمندر کے بیچ میں پہنچ چکی تھی۔ہوا کشتی کے مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے لہروں میں طغیانی تیز ہو گئی۔شاگرد گھبرا گئے۔رات کا چوتھا پہر تھا۔شاگردوں نے دیکھا کہ کوئی سمندر میں چلتا ہوا کشتی کے قریب آ رہا ہے تو وہ گھبرا گئے اور اندھیرے میں وجود کو بھوت پر قیاس کر کے شور مچانے لگے۔

آواز آئی، میں ہوں، ڈرو مت، خاطر جمع رکھو۔

یہ حضرت عیسیٰؑ کی آواز تھی۔

ایک شاگرد پطرس نے انہیں پانی پر چلتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا، مجھے حکم دیں کہ میں پانی پر چل کر آپ کے

پاس آؤں۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا، آجاؤ۔

پطرس کشتی سے اتر کر حضرت عیسیٰؑ کے پاس جانے کے لئے پانی پر بے خوف چلنے لگا مگر جب ہوا دیکھی تو ڈر گیا۔ وہ ڈوبنے لگا اور مدد کے لئے پکارا۔

حضرت عیسیٰؑ نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور فرمایا، اے کم اعتقاد! تو نے کیوں شک کیا—؟

حضرت عیسیٰؑ کو پانی پر چلتے ہوئے دیکھ کر پطرس نے بھی اسی طریق پر عمل کرتے ہوئے ان کے پاس پہنچنا چاہا اور اس کے لئے اس نے حضرت عیسیٰؑ سے مدد مانگی کہ مجھے پانی پر چل کر آنے کا حکم دیں۔ وہ جانتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے حکم سے پانی اس کے لئے فرش بن جائے گا۔ پانی پر چلتے ہوئے جب تک اس کی توجہ اپنے راہ نما پیغمبر پر رہی، یقین غالب رہا اور لہروں نے اس کی حفاظت کی۔ جیسے ہی توجہ بپھری ہوئی لہروں پر مرکوز ہوئی، پطرس کی توجہ اپنے راہ نما سے ہٹ گئی اور لہروں کو دیکھ کر ذہن میں شک پیدا ہو گیا۔

دوسرے الفاظ میں، پطرس کے اندر اپنے راہ نما کا جو یقین کام کر رہا تھا، وہ مغلوب ہو گیا اور پطرس ڈوبنے لگا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اسے ڈوبنے سے بچایا اور پہلی بات یہ فرمائی کہ تو نے شک کیوں کیا—؟

ذہن کی بنیاد وہم اور یقین پر ہے۔ قرآن کریم میں وہم کو شک اور یقین کو ایمان کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دماغ میں شک کو جگہ دینے سے منع فرماتے ہیں اور یقین کی پختگی کا حکم دیتے ہیں۔

"یہ کتاب ہے جس میں شک نہیں، ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔" (البقرۃ:۱۔۳)

جنت میں حضرت آدمؑ یقین سے واقف تھے۔ ان کے ذہن میں تقسیم نہیں تھی کیوں کہ انہیں جنت کا قانون سکھایا گیا تھا کہ جہاں سے جی چاہے، خوش ہو کر کھاؤ پیو۔ اس حکم میں ٹائم اور اسپیس کی تقسیم کی نفی ہے۔

"جہاں سے" سے مراد جنت کی اسپیس پر دسترس ہونا ہے جس سے خیال ذہن پر وارد ہوتے ہی مظہر بن جاتا ہے۔ جب حضرت آدمؑ شجرِ ممنوعہ کے قریب گئے تو نافرمانی سے ذہن سمتوں میں تقسیم ہو گیا۔

یہی تقسیم شک کی بنیاد ہے۔

نافرمانی کے ذہن کی وجہ سے شک دماغی خلیات میں ہمہ وقت دور کرتا ہے۔ اسی سبب سے فرد ہر شے کو سمجھنے کے لئے ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے کیوں کہ اس پر وہ ذہن غالب ہے جو ایک حالت پر قائم نہیں اور ایک ہی شے کو ٹکڑوں میں دیکھ رہا ہے۔

جس قدر شک کی زیادتی ہوتی ہے، اسی قدر خلیات میں ٹوٹ پھوٹ واقع ہوتی ہے۔ بعض اوقات آدمی سمجھتا ہے کہ اس کی پوری زندگی سخت خطرے میں ہے، یہ سب ٹوٹ پھوٹ سے متاثر خلیات کی وجہ سے ہے۔ آدمی کا دماغ اس کے اختیار میں ہے۔ وہ خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کو یقین کی طاقت سے کم کر کے اعصابی

نقصان کے امکانات بہت کم کرسکتا ہے۔ دماغی خلیات کے زیر اثر اعصاب کام کرتے ہیں اور اعصاب کی تحریکات زندگی ہے۔

ایک طالبہ کی کہانی پڑھی جو ہر وقت خوف زدہ رہتی تھی۔ ایک بار ٹیچر نے سمجھایا کہ ہم اکثر خوف کو خود سے منسلک کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے وجود کا حصہ ہے۔ ہمارا اصل وجود یقین ہے۔ خوف کا سامنا کر کے اسے ترک کرو۔

طالبہ نے کہا کہ سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہے اسی لئے تو خوف زدہ ہوں۔

ٹیچر نے ہمت بندھائی کہ ایک بار میری بات مان لو پھر تم زندگی میں کسی بات سے خوف زدہ نہیں ہوگی۔ اصرار پر اس نے ہامی بھر لی۔ ٹیچر نے بتایا کہ فلاں روز تمہارا خوف سے مقابلہ ہوگا، اور اصول بتائے۔

مقررہ دن ٹیچر نے اسے ایک طرف کھڑا کیا، خود دوسری طرف کھڑی ہوگئیں اور کہا، مجھے وہ خوف سمجھو جو تمہارے ذہن میں ہے۔ ان کے لہجے میں سختی تھی جس سے طالبہ پر خوف طاری ہوگیا۔

طالبہ کو خوف کے سامنے اپنا آپ کم زور اور بہت چھوٹا محسوس ہوا۔ پھر وہ ٹیچر کے بتائے ہوئے اصول پر عمل کرتے ہوئے خوف کے سامنے جھکی اور کہا، میں آپ سے جنگ کرنا چاہتی ہوں، اجازت درکار ہے۔

خوف بولا، مجھ سے اجازت لینے اور میرا احترام کرنے کا بہت شکریہ۔

خوف ذہن پر طاری ہونے کی وجہ سے طالبہ یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔ وہ ذہن کے دیکھنے کو دیکھ رہی تھی۔ خوف سے پوچھا، میں تمہیں کیسے شکست دے سکتی ہوں؟

خوف نے تمکنت سے بتایا، میرا ہتھیار دماغ پر سوار ہو کر ذہن کو ایک رخ پر قائم نہ رہنے دینا ہے۔ میں ایک کے بعد ایک رنگ دکھا کر فرد کے ذہن پر حاوی ہو جاتا ہوں جس سے وہ گھبرا جاتا ہے۔ پھر جو کہتا ہوں، وہ کرتا ہے۔

طالبہ نے پوچھا کہ اگر وہ تمہارا حکم نہ مانے تو—؟

خوف بولا، تو میری طاقت صفر ہو جاتی ہے۔ تم مجھے سن سکتی ہو، میرا احترام کر سکتی ہو اور میری باتوں سے متاثر بھی ہو سکتی ہو لیکن تمہارے پاس یہ صلاحیت ہے کہ تم میرا اثر قبول نہ کرو، ایسے میں میری توانائی صفر ہو جائے گی اور تم پر میرا زور نہیں چلے گا۔

طالبہ نے ٹیچر کی ہدایت کے مطابق پُرعزم لہجے میں کہا، ٹھیک ہے میں تمہارا حکم ماننے سے انکار کرتی ہوں اب مجھ پر تمہارا زور نہیں چل سکتا!

ٹیچر نے طالبہ کا خوف سے مقابلہ کرانے کے لئے ماحول بنایا تا کہ اسے حقیقی طور پر محسوس ہو کہ اس کا خوف اس کے سامنے ہے۔ جب اس نے خوف کا سامنا کر لیا تو اثر— بے اثر ہوگیا۔

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ یقین کے حصول کا راستہ روشنی کا علم ہے اور روشنی کا علم خیال میں تفکر سے ملتا ہے کیوں کہ آدمی کے پاس قدرت کے رازوں کو جاننے کے لئے خیال کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔

عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"تاریخ میں ایسا کوئی دور نہیں آیا کہ جب آدمی چند فی ہزار سے زیادہ صحت مند رہا ہو۔ دراصل ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روشنی کی قسمیں اور روشنیوں کا طرز عمل معلوم کرتا لیکن اس نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی، یہ چیز ہمیشہ پردے میں رہی، آدمی نے اس پردے میں جھانکنے کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ یا تو اس کے سامنے روشنیوں کا پردہ نہیں تھا یا اس نے روشنی کے پردے کی طرف توجہ نہیں دی، اس نے وہ قاعدے معلوم کرنے کی طرف خیال نہیں کیا جو روشنیوں کے خلط ملط سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر آدمی یہ طرز عمل اختیار کرتا تو اس کے دماغ میں خلیوں کی ٹوٹ پھوٹ کم سے کم ہو سکتی تھی۔ اس حالت میں وہ زیادہ سے زیادہ یقین کی طرف قدم اٹھاتا، فضول عقائد اور توہم میں مبتلا نہ ہوتا، شکوک اسے اتنا پریشان نہ کرتے جتنا اب کئے ہوئے ہیں اور اس کی تحریکات میں جو عملی رکاوٹیں واقع ہوتی ہیں وہ کم سے کم ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا، اس نے روشنیوں کی قسمیں معلوم نہیں کیں اور نہ ہی روشنیوں کی طبیعت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ روشنیاں بھی طبیعت

قیمتی پتھر ــــ؟

ایک صحرا نشین بیابان میں راستہ بھول گیا
منزل کا نشان گم تھا اور زادِ راہ ختم!
موت کا سامنا تھا۔
دور مٹی کے ٹیلے پر تھیلی پڑی ہوئی نظر آئی
فوراً ٹیلے کی طرف دوڑا اور تھیلی اٹھائی
چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا
اسے لگا کہ بھنے ہوئے گیہوں ہیں
لیکن ــــ وہ گراں قدر موتی تھے!

اور ماہیت رکھتی ہیں اور روشنیوں میں رجحانات بھی موجود ہوتے ہیں۔ اسے یہ بھی علم نہیں کہ روشنیاں اس کی زندگی ہیں اور اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ وہ تو صرف مٹی کے پتلے سے واقف ہے، اس پتلے سے جس کے اندر اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

ٹوٹ پھوٹ سے ذہن کے ساتھ زمین بھی شکست و ریخت کے عمل سے گزرتی ہے کیوں کہ ذہن بھی زمین ہے اور زمین بھی ذہن ہے۔ جس طرح ذہن پر طرح طرح کے نقش و نگار ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح زمین پر قسم قسم کی روئیدگی پیدا ہوتی ہے۔ جب ذہن شکست و ریخت سے گزرتا ہے، اس کا اثر زمین پر بھی پڑتا ہے، زمین کی پلیٹوں میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے انجام سے سب واقف ہیں۔

سید اسد علی

جھن جھن باجے من کے تار

کٹھ پتلیوں کی نگاہ کس قدر محدود ہے۔ ہر عضو سے تار بندھے ہوئے ہیں جن کو حرکت کہیں اور سے ملتی ہے۔ یہ تاروں کو دیکھتی ہیں نہ غور کرتی ہیں کہ حرکت کہاں سے آرہی ہے۔

دور دراز گاؤں میں کئی برسوں سے میلہ لگتا تھا جس میں کھانے پینے کی اشیا، برتن، کپڑے، دیہی زندگی کی ضروریات کا سامان غرض ہر شے رکھی جاتی تھی۔ لوگوں کی تفریح کے لئے موسیقی کا انتظام تھا، بانسری بجانے کا مقابلہ ہوتا اور کرتب بھی پیش کئے جاتے تھے۔

سلمان اسی گاؤں کا مکین تھا۔ وہ خوب صورت، ہونہار اور محنتی نوجوان تھا۔ سلمان میلے میں نیا اضافہ کرنا چاہتا تھا جو انوکھا ہو اور اچھوتا بھی، جس میں ڈراما ہو اور کہانی بھی، اختیار کا رنگ ہو اور بے اختیاری بھی، عبرت ہو اور تماشا بھی۔ لیکن ایسی کیا چیز پیش کی جائے جس میں یہ سارے رنگ موجود ہوں—؟

سوچتا رہا— خیالات کے تار و پود بنتا رہا۔

ایک دن اچھوتا خیال آیا۔ خیال کیا تھا روشنی کی کرن تھی۔ اندھیرا اجالے میں تبدیل ہوا، لاعلمی آگہی بنی اور سلمان نے خیال میں مخفی پروگرام پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ کپڑا بنانا ان کا آبائی پیشہ تھا۔ نفیس کپڑا بُننے کے لئے وہ ریشمی تار لایا۔ تار باریک تھے۔ پہلے عمودی سمت میں تار باندھے پھر افقی سمت میں تاروں کو ملا کر مخصوص طریقے سے جماتا گیا۔ کئی روز کی محنت کے بعد افقی اور عمودی تاروں کے ملاپ یعنی تانے اور بانے کے ملاپ سے نفیس کپڑا تیار ہوا۔ دیکھنے والے جب دیکھتے، واہ واہ کر اٹھتے کہ کمال کا کپڑا ہے۔ سلمان نے کپڑے سے گڑیا گڈے بنائے۔ نفاست سے ناک، آنکھ، کان، چہرہ اور جسم بنایا۔ ساری تیاری ہوگئی تو میلے میں جگہ لے کر کٹھ پتلی تماشا دکھانا شروع کیا۔

سلمان کہانی کے متعلق سوچتا اور لکھنے کے بعد نوک پلک سنوار کر کٹھ پتلیوں کے ذریعے کرداروں کو پیش کرتا تھا۔ ذہن سے تحریک ہاتھوں میں منتقل ہوتی، انگلیاں حرکت کرتیں، ڈوریوں میں ارتعاش پیدا ہوتا، اندر کی کہانی حرکت کا لباس پہن کر کٹھ پتلیوں میں منتقل ہو جاتی اور اسٹیج پر چلتی پھرتی، بولتی ہنستی، بھاگتی دوڑتی اور ناچتی گاتی نظر آتی۔ تماشائی دور سے دیکھتے تھے اس لئے انہیں باریک تار نظر نہیں آتے تھے۔ گمان ہوتا کہ کٹھ پتلیاں نہیں، جیتے جاگتے کردار ہیں۔

کٹھ پتلی تماشے میں جب نسوانی کردار آتا تو سلمان آواز باریک کر کے نسوانی آواز میں بولتا تھا۔ بچے کو شرارت کرتے دکھایا جاتا تو بچے کی آواز نکالتا تھا۔ ہنسی خوشی کے موقع پر مختلف انداز سے قہقہے لگاتا۔

ساری کٹھ پتلیوں کے تار چھوٹے بڑے مگر ایک جیسے تھے اور ایک ہی ہاتھ میں تھے۔ کردار مختلف ہونے کی وجہ سے طرح طرح کے روپ بہروپ نظر آتے اور تماشائی کٹھ پتلیوں کے سحر میں گرفتار ہوجاتے تھے۔

اسٹیج پر کرداروں کی مختصر تفصیل یہ ہے:

★ اللہ وسائی کٹھ پتلی تماشے کا مشہور کردار تھی۔ دیہاتی طرز کا لہنگا پہنتی تھی، کلائیاں چوڑیوں سے بھری رہتیں۔ نیم کے درخت کے سائے میں بیٹھ کر لوک گیت گاتی تھی، آواز میں مٹی کی مہک سے سماں بندھ جاتا۔

★ دوسرا کردار کریم بخش محنتی کسان تھا۔ اسے کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے دکھایا جاتا۔ وہ اکثر بارش کی دعائیں مانگتا تاکہ فصل اچھی ہو۔

★ شیدا کٹھ پتلی تماشے کا منفی کردار تھا جو اپنی جیسی کٹھ پتلیوں کی جیبیں کاٹ لیتا تھا۔

★ ایک کردار مفکر کا تھا جس کا نام سلمان نے غالب رکھا۔ وہ بیشتر وقت تفکر میں مشغول رہ کر زندگی کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا۔

★ زاہد بھی کٹھ پتلیوں میں سے ایک ہے۔ اس کی زندگی مفلسی اور کسمپرسی میں گزرتی ہے لیکن وہ مفلسی کے باوجود ناشکری سے دور ہے۔

★ بچے اور بچیاں بھی دکھائے جاتے جو بچپن کے روایتی کھیل مثلاً چور سپاہی اور چھپن چھپائی کھیلتے تھے۔

ہر تماشے میں کٹھ پتلیاں ایک ہوتیں لیکن کہانی کا زاویہ الگ ہوتا تھا۔ دن رات کے ماحول کی بھی خوب منظر کشی کی جاتی۔ سورج نکلنے سے ہر شے روشن ہوتی تو چاند کی چاندنی ماحول کو پُرنور کر دیتی تھی۔ گھرے سیاہ بادل آتے، بجلی کی کڑک اور گھن گرج کے ساتھ بارش ہونے سے ہر طرف جل تھل ہو جاتا، زمین پر کونپلیں پھوٹتیں، خوب صورت پھول کھلتے، کوئل کوکتی، چڑیاں چہچہاتیں اور پرندے نغمے گاتے تھے۔

⟡

ایک دن سلمان نے ''نفس کا عرفان'' کے عنوان سے کتاب پڑھی جس میں لکھا تھا کہ ہر شے باشعور ہے، سوچتی سمجھتی اور گفتگو کرتی ہے، چاہے جمادات میں سے ہو یا نباتات کے خاندان میں سے۔ سلمان کے لئے انکشاف تھا کہ کٹھ پتلیاں بھی شعور رکھتی ہیں۔

ایک رات کٹھ پتلی تماشے کے بعد بستر پر بیٹھا اس نکتے پر غور کر رہا تھا کہ ذہن مراقبہ میں چلا گیا اور کٹھ پتلیوں کے اندر کی دنیا سامنے آ گئی۔

اللہ وسائی اپنے شوہر کریم بخش سے کہہ رہی تھی کہ گیت گاتے ہوئے میں بے خود ہو جاتی ہوں۔ جب تک الفاظ میں کھو نہ جاؤں، اثر پیدا نہیں ہوتا۔

کریم بخش بولا، نیک بخت! جب میں کھیتوں میں کام کرتا ہوں تو تجھے محنت کی کیا ضرورت ہے؟ بس تو

بارش کے لئے دعا کیا کرتا کہ فصل اچھی ہو۔

قریب بیٹھا شیدا سوچ رہا تھا کہ میں دو دن سے جیب کاٹنے میں کام یاب نہیں ہوا۔ کل شہر جانے والی بسوں کے اسٹاپ پر جاؤں گا، کوئی مل جائے گا۔

نظر بچے پر پڑی۔ وہ اسکول جانے کا منتظر تھا۔

اور پھر سلمان کی نگاہ اس منظر سے ہٹ گئی۔

شدت سے دو باتوں کا احساس ہوا۔

۱۔ کٹھ پتلیاں لفظ "میں" کیوں استعمال کرتی ہیں؟ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا، میں اسکول جاؤں گا، میں کھیتوں میں کام کرتا ہوں، میں گیت گاتی ہوں۔

۲۔ کٹھ پتلیوں کی نگاہ کس قدر محدود ہے۔ ہر عضو سے تار بندھے ہوئے ہیں جن کو حرکت کہیں اور سے ملتی ہے۔ یہ تاروں کو دیکھتی ہیں نہ غور کرتی ہیں کہ حرکت کہاں سے آرہی ہے۔

اگلے دن سلمان نے پتلی تماشا دکھاتے ہوئے پہلے شیدے کے لئے جیب کاٹنے کا ماحول پیدا کیا۔ پھر انگلیوں سے بندھے تاروں کو حرکت دے کر رم جھم بارش برسا دی۔ برسات ہوتے ہی پتلی تماشے میں گیت چلا اور سب جھومنے لگے۔

رم جھم رم جھم پڑے پھوار، تیرا میرا نت کا پیار
جھن جھن باجے من کے تار، تیرا میرا نت کا پیار
آئے میرے پاس تو ایسے دور کبھی نہ جائے
مرجھائیں نہ کھل کے کلیاں ایسی بھی رُت آئے
آئے نہ پت جھڑ رہے بہار تیرا میرا نت کا پیار
آ بچپن کے بچھڑے ساتھی کیوں مجھ کو تڑپائے
عمر گزاری رو رو میں نے کاہے دیر لگائے
سامنے آجا پھر اک بار تیرا میرا نت کا پیار

سلمان روزانہ سونے سے پہلے کٹھ پتلیوں کی باتیں سنتا۔ ایک دفعہ سب زاہد نامی کٹھ پتلی کا مذاق اڑا رہے تھے جو مفلس تھا۔ سلمان کو ناگوار گزرا کہ زاہد ان کی طرح کا فرد ہے، اگر وہ غریب ہے تو یہ محض کردار ہے جو کسی کو بھی مل سکتا ہے۔ اگلی بار سلمان نے کٹھ پتلی تماشا دکھایا تو زاہد کا کردار بدل دیا۔ اس نے زاہد کے حالات کو سازگار ہوتے دکھایا کہ وہ درجہ بدرجہ ترقی کر کے بڑا آدمی بن گیا ہے اور درسی کتابوں میں اس کی محنت کے واقعات بچوں کو پڑھائے جاتے ہیں۔

ڈراما ختم ہونے کے بعد اس رات سلمان نے کٹھ پتلیوں کی باتیں سنیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ زاہد کی ترقی محنت اور لگن کا نتیجہ ہے اور خود زاہد بھی کہتا ہے کہ خلوصِ دل سے کوشش اور ہمت نہ ہارنے میں کام یابی ہے۔

سلمان نے سوچا کہ زاہد کی باتیں ٹھیک ہیں لیکن اسے محاسبہ کرنا چاہئے تھا کہ جب وہ مفلس تھا، تب بھی دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک اور ایک دماغ تھا اور جب حالات بدلے تو اعضا وہی ہیں۔ آخر ایسی کیا تحریک پیدا ہوئی اور کون سی تبدیلی آئی جس کی بدولت غریب زاہد دولت مند بن گیا—؟

وہ کٹھ پتلیوں میں آگاہی پیدا کرنا چاہتا تھا کہ انہیں سوچنے سمجھنے کا اختیار دیا گیا ہے لیکن ان کی حرکت

ڈوریوں کی پابند ہے۔ناکامی کی طرف متوجہ ہونے سے ناکامی کے وسائل حرکت میں آتے ہیں اور محنت کرنے سے کام یابی کے وسائل متحرک ہو جاتے ہیں۔

اس نے سب کٹھ پتلیوں کو ایک خیال انسپائر کیا،

میں کون ہوں ــــ؟

اگلے دن معلوم ہوا کہ 99 فی صد کٹھ پتلیوں نے خیال کو رد کر دیا ہے، صرف کردار غالب نے خیال کو قبول کیا، باقی نے مذاق اڑایا کہ دیکھو! کیسی بے وقوفی کی باتیں کر رہا ہے۔ غالب نے پروا نہیں کی اور اس دھن میں رہا کہ میں کون ہوں ــــ؟ سلمان نے اسے تلاش میں سنجیدہ پا کر ایسا ماحول پیدا کیا کہ غالب زیادہ سے زیادہ تفکر کر کے اندر کی دنیا سے روشناس ہو۔

غالب نے سوچا، ہر فرد کے اندر ''میں'' کا احساس موجود ہے اور ہر فرد اس احساس کو ذاتی اور انفرادی سمجھتا ہے اسی وجہ سے ''میں'' کی اصل کو تلاش نہیں کیا جاتا جب کہ ''میں'' کا احساس انفرادی نہیں اجتماعی ہے اور ہر فرد میں مشترک ہے۔ اگر افراد تسبیح کے دانے ہیں تو ''میں'' کا احساس ڈور کی طرح تسبیح کے دانوں کو جوڑے رکھتا ہے۔ ''میں'' کی حقیقت معلوم ہو جائے تو یہ کائنات کی رگِ جان کا علم ہے۔

کٹھ پتلی ہے یہ نوع ہماری ساقی
حرکت ہے اشارات پہ ساری ساقی
ہوتی ہے جو تحریک تو پیتے ہیں ہم
ورنہ ہے بساط کیا ہماری ساقی

خیالات میں گہرائی پیدا ہونے سے غالب نے دیکھا کہ ہر فرد تاروں سے بندھا ہوا ہے، اور تاروں میں تحریک جسمانی اعضا میں حرکت ہے ــــ اور اک ہوا کہ وہ کٹھ پتلی ہے، ایسی کٹھ پتلی جس کی ڈوریاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کٹھ پتلی کو غور و فکر کی آزادی دی گئی ہے مگر ان سب کا آغاز کہیں سے ملنے والی تحریک سے ہوتا ہے۔ ذہن میں کئی سوالات آئے۔

★ حرکت کیا ہے؟
★ پہلی حرکت کب واقع ہوئی؟
★ حرکت میں کون سا علم محفوظ ہے؟
★ جب کوئی تحریک نہیں تھی تو اس سے پہلے کیا تھا؟
★ ارتعاش کیسے مظاہر کا لباس پہن لیتا ہے؟

وہ ان سوالوں کا جلد سے جلد جواب چاہتا تھا لیکن ابھی وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ جواب وقت سے پہلے نہیں ملتا۔ سوال سے جواب تک پہنچنے کے لئے سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ جیسے جیسے مناظر دیکھ کر ذہن کھلتا ہے، جواب تک پہنچنے کی سکت بڑھتی جاتی ہے اور ایک دن جب ذہن کی وسعت جواب تک پہنچنے کے برابر ہو جائے تو ذہن کھل جاتا ہے۔ سلمان نے غالب کو ذہن کی دنیا کا مسافر بنا دیا۔ اگرچہ وہ دیگر کٹھ پتلیوں کے ساتھ رہتا تھا اور ان کی طرح دنیا کے تقاضے اور اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا تھا لیکن دیگر لوگوں کے برعکس حقیقت سے واقف ہونے کی شمع اس کے اندر روشن ہو گئی۔

میں ــــ ہوں

آدمی کی تعریف اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ حرکت کے تابع ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آدمی حرکت کے تابع ہے تو حرکت ایک وجود ہوا۔ وجود میں حرکت ہوتی ہے تو آدمی میں بھی حرکت ہوتی ہے۔ حرکت نہ ہو، وجود پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ ہمیں پیاس لگتی ہے، پانی دستیاب نہ ہو تو حرکت ختم ہو جاتی ہے۔

بات کو اس طرح سمجھئے۔ تین مہینے سے کم عمر بچے کو بھوک لگتی ہے، وہ اس کا اظہار رو کر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ رونا بھی حرکت ہے لیکن بھوک کی تعریف کیا ہے؟ اگر بھوک کی تعریف یہ ہے کہ بھوک اشتہا ہے یعنی بھوک لگتی ہے، مٹتی ہے تو بھوک لگنا کیا ہے؟

یہی صورت زندگی کی ہے۔ مجھے خیال آتا ہے کہ میں زندہ ہوں۔ اگر زندگی کا خیال نہیں آتا تو میں مردہ ہوں۔ سوچنا یہ ہے کہ زندگی کی بنیاد (base) خیال ہے یا میں ہوں ــــ؟

میں ہوں ــــ یہ دو الفاظ ہیں۔ میں اطلاع ہے اور ہوں خبر ہے۔ ہم شب و روز ''میں ہوں'' کی گردان میں زندہ رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ میں ہوں میں میں کیا ہے.....اور ہوں کی تعریف کیا ہے؟ کیا ہوں، میں کے معنی پورے کرتا ہے؟ اور ہوں یعنی خالی ہوں کا کوئی مفہوم بیان کیا جا سکتا ہے؟ اس بات پر غور کیا جائے تو جواب ملتا ہے کہ میں اور ہوں..... دو یونٹ ہیں۔ ہوں اور میں..... میں اور ہوں۔ اگر لفظوں کی ترتیب نہ ہو تو کیا ہم کوئی معنی اخذ کر سکتے ہیں؟

بہت محترم قارئین خواتین و حضرات! آپ کا فقیر دوست سمجھنا چاہتا ہے کہ میں کیا ہے؟ جب میں کا مفہوم زندگی کی وضاحت نہیں کرتا پھر ہوں کا مفہوم کیا ہے؟

قارئین کرام! مؤدبانہ سلام، درخواست ہے کہ درج بالا تحریر پڑھئے۔ میں اور ہوں کی تشریح بیان کر کے فقیر کی راہ نمائی کیجئے۔

زاہدہ تبسم

چڑیوں کے گیت

محققین کے مطابق زمین پر اب تک پانچ Mass Extinction (اجتماعی معدومیت) ہو چکے ہیں اور اس وقت ہم اجتماعی معدومیت کے چھٹے کنارے پر ہیں جہاں آئندہ سو سال میں بڑی تعداد میں جان داروں کی کئی نوعیں اور اقسام کے ناپید ہونے کا خطرہ ہے۔

وطن عزیز پاکستان کے خوب صورت شہر اسلام آباد سے نزدیک کوہ ہمالیہ کے دامن میں مارگلہ پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔ یہاں کئی پگ ڈنڈیاں (trails) ہیں جو پُرفضا آب وہوا کی وجہ سے عوام کی توجہ کا مرکز ہیں۔

ان میں مشہور Trail-5 فطری ماحول کا منفرد نمونہ ہے۔ گھنا سرسبز جنگل، نایاب پرندے اور دیگر حیوانات شہر سے بہت قریب دل کش منظر پیش کرتے ہیں۔ اس مقام پر عام شہری جاگنگ اور ہائیکنگ وغیرہ سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔

مارگلہ کی پہاڑیوں پر ماحولیاتی تحفظ کے لئے متعین رضا کار حیوانات اور نباتات کے بچاؤ کے لئے کوششوں میں مصروف ہیں اور شہریوں کے تعاون سے اس ٹریل کو صاف ستھرا رکھتے ہیں۔

فطری ماحول کے قریب چہل قدمی، پرندوں کے لئے دانہ ڈالنا، دریا یا جھیلوں میں کشتی رانی یا اس قسم کی تعمیری سرگرمیاں جو قدرتی مناظر میں رہ کر کی جائیں، دنیا بھر میں انہیں Green Exercise کہا جاتا ہے، اور علاج کے لئے فطری ماحول سے ہم آہنگی اختیار کرنے کو Ecotherapy کہتے ہیں۔

صورت حال یہ ہے کہ آدمی کی غیر فطری طرز زندگی کے سبب خود آدمی، قدرتی آب وہوا اور دیگر جان دار متاثر ہو رہے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگ سرگرم ہیں کہ ماحول کی حفاظت، اور ماحول میں توازن بحال کیا جائے کیوں کہ ہماری غفلت سے ہمیں اور دیگر نوعوں کو نقصان پہنچ رہا ہے جس سے ہماری بقا کو خطرہ ہے۔

معدومیت کے خطرے سے دو چار حیوانات اور نباتات کے لئے خصوصی علاقوں میں حد بندی کی جاتی ہے جو نیشنل پارکس کہلاتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہزاروں کی تعداد میں نیشنل پارکس ہیں۔ مارگلہ پہاڑیاں بھی نیشنل پارک کا درجہ رکھتی ہیں۔

کسی جان دار یا جان داروں کے گروپ کا بطور

''نوع'' معدوم ہو جانا extinction کہلاتا ہے۔ تحفظ فطرت کی عالمی تنظیم* IUCN کی Red List کے مطابق حیوانات اور نباتات کی 28 ہزار سے زائد اقسام قطعی طور پر معدوم (extinction) ہونے کے خطرے سے دوچار ہیں۔

فطری نظام کے تحت خاص وقت کے بعد نوعیں عدم وجود ہو جاتی ہیں لیکن آدمی کی بداحتیاطی سے اس میکانزم میں تیزی آرہی ہے اور یہ تناسب قدرتی عمل سے کئی گنا زیادہ ہے۔

انسانی سرگرمیاں مثلاً تعمیرات، تجارت اور شکار وغیرہ حیاتیاتی ماحول کو متاثر کر رہی ہیں۔ جانوروں کی رہائشی جگہیں کم ہو رہی ہیں یا رہنے کے قابل نہیں رہیں۔ زرعی زمینیں شہری استعمال میں آگئی ہیں۔ زراعت میں استعمال ہونے والے کیمیائی عناصر نباتات اور نباتات سے منسلک حیوانات کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کاروباری مفاد کے لئے جنگلات کاٹے جا رہے ہیں۔ خوراک میں زہریلے مادے اور دھاتیں شامل ہو چکی ہیں۔

ہر سال اربوں روپے کا کوڑا کرکٹ اور آلودگی سمندر میں شامل ہوتی ہے۔ ایندھن کا بے دریغ استعمال عالمی درجۂ حرارت میں اضافے کا سبب ہے۔

سوچ بچار کرنے والا ذہن دیکھتا ہے کہ کائناتی نظام میں تنظیم اور ربط ہے۔ ایک علاقے میں رہنے والے جان دار اور ان کے اطراف میں (بظاہر) بے جان مادے ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے درمیان توانائی اور مادے گردش میں رہتے ہیں۔ اس ربط سے مخصوص علاقے کا ماحولیاتی نظام (Ecosystem) تشکیل پاتا ہے۔

نباتات اور حیوانات کے لئے ان کے اپنے ایکوسسٹم میں سازگار حالات ہوتے ہیں۔ فطری قوانین کے مطابق ہر جان دار کی تخلیق میں اسپیس کی معین مقداریں ہیں اور مقداروں کے مطابق ایکوسسٹم میں جان داروں کے لئے اسپیس (رہائش گاہ) ہے۔

جان دار کسی مخصوص ماحول میں اپنے مقامِ رہائش میں زندہ رہتے ہیں۔ جب مقام اور رہائش کو نقصان پہنچتا ہے تو جان داروں کے ناپید ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک جان دار کے معدوم ہونے سے نتیجے میں اس سے منسلک دوسرے جان داروں کی بقا کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ غذا کے لئے اس پر انحصار کرتے ہیں۔

اسپیس خالی نہیں رہتی۔ زندگی سے موت اور موت سے زندگی نکلتی ہے، دن رات میں داخل ہوتا ہے اور رات دن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح توازن

---

* IUCN (International Union for Conservation of Nature)

متاثر ہو تو اس کی جگہ عدم توازن لے لیتا ہے اور عدم توازن — توازن سے دور ہوتا ہے۔ جب دوسرے جان دار ماحولیاتی نظام کو درکار معین مقداروں سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں تو ماحولیاتی نظام کی اسپیس میں عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

یہاں آدمی کے کردار کے دو پہلو ہیں۔ وہ عدم توازن کو دور کر سکتا ہے یا مزید نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ایک مثال حیوانات کی غیر ضروری تجارت ہے۔ اس طرح بیماریاں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتی ہیں۔ ماحول کی تبدیلی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے اور جانور کم زور اور بیمار ہو جاتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ وہ ایکوسسٹم جو ہزاروں سال میں مستحکم ہوئے ہیں آج آدمی کی لاپروائی سے تباہ ہو رہے ہیں۔

اسپیس سے متعلق ارشاد باری ہے،

"اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔" (الرعد:۴)

زمین = اسپیس

قطعات = اربوں کھربوں ذیلی اسپیس ہیں

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"زمین ایک ہے، قطعات مختلف ہیں۔ قطعات ڈائیاں ہیں۔ ڈائیاں الگ کرنے کے لئے مقداروں میں تناسب کا نظام ہے۔ ایک ہی چیز زیادہ اور ایک ہی چیز کم ہونے سے سب چیزیں ایک دوسرے سے الگ نظر آتی ہیں۔"

مختلف خطوں میں آب و ہوا اور محل وقوع کی بنا پر حیوانات اور نباتات کی ساخت، قد و قامت اور دیگر خصوصیات مختلف ہیں۔ البتہ یہ خصوصیات انفرادیت میں "منفرد" ہیں لیکن اجتماعیت میں سب ایک زمین (اسپیس) میں موجود ہیں۔

متوازن اور مستحکم ماحولیاتی نظام (ایکوسسٹم) کی تعریف یہ ہے کہ جہاں نباتات اور حیوانات کی بے شمار انواع اور ان کے زندہ رہنے کے لئے صاف و کشادہ رہائش، پانی، ہوا اور دیگر وسائل دستیاب ہوں اور حیاتیاتی تنوع (bio-diversity) موجود ہو۔ یعنی بڑی انواع کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی نوع بھی ماحولیاتی نظام میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ حیاتیاتی تنوع کی بدولت ہمیں غذا، صاف پانی، ادویات اور آکسیجن مل رہی ہے۔

مختلف خطوں میں خاص قسم کے نباتات اور جنگلات ہوتے ہیں، اور ان کے مطابق حیوانات کی تقسیم ہے۔ اگر نباتات کا وجود مٹتا ہے تو ان کے سائے اور ماحولیاتی حدود میں پلنے والے دیگر جان داروں کو نسل کشی کے خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح — بہت سے پرندے، ممالیہ اور رینگنے والے حیوانات درختوں کے پھل کھاتے ہیں۔ اگر حیوانات نہ ہوں تو بیجوں کا پھیلاؤ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقلی مشکل ہونے

سے درخت ناپید ہو جائیں گے۔

مستحکم ماحولیاتی نظام میں بڑی نوع کے ختم ہونے سے ان کا شکار بننے والے چھوٹے حیوانات کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے جو بیماری کو منتقل کرنے یا فصلوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

زمین پر مادی اجسام حرکت میں نظر آتے ہیں۔ حرکت کے پس پردہ توانائی ہے اور توانائی رنگ اور روشنی کے نظام کے ذریعے گردش میں ہے۔

سورج کی روشنی میں رنگوں کی معین مقداریں مخفی ہیں۔ ہر مخلوق کو مقداروں کے مطابق توانائی ملتی ہے۔ خلاء، فضا اور زمین سے انعکاس کے بعد خطۂ ارض کے مختلف حصوں میں سورج کی روشنی کی مختلف مقداریں زمین جذب کرتی ہے۔

مثال کے طور پر پودوں کو ملنے والی شمسی توانائی کا کچھ حصہ پودے استعمال کرتے ہیں باقی فضا میں لوٹ جاتا ہے۔ پودوں نے جو خوراک استعمال کی، اس کا مخصوص حصہ پرندوں کی خوراک بنتا ہے۔ پرندوں میں توانائی کی خاص مقدار سے درندے اور آدمی استفادہ کرتے ہیں۔ یعنی ایک مقام پر توانائی خرچ ہونے کے بعد ضائع نہیں ہوتی، اگلے مرحلے میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ایک کے بعد ایک مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

خوراک کے اس نیٹ ورک میں پانی، آکسیجن، کاربن، ہائیڈروجن اور دیگر عناصر گردش میں ہیں، ہر عنصر کا اپنا سائیکل ہے۔ پودے حیوانات کی سانسوں پر اور حیوانات پودوں کی سانسوں پر انحصار کرتے ہیں، اور آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ میں توازن رہتا ہے۔

خلاصہ: پانی اور خشک علاقوں کا اپنا اپنا ماحولیاتی نظام ہے۔ یہاں مختلف جان دار زندہ رہنے کے لئے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ جان داروں کی مختلف اقسام کو کڑیوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جن کے ملنے سے زندگی کا سائیکل قائم رہتا ہے۔

کسی نوع کے ناپید ہونے سے ماحولیاتی نظام اور غذائی جال میں کس طرح خلل واقع ہوتا ہے؟

خوراک کے منظم جال میں ہر شے متوازن اور مستحکم ہے۔ اگر ایک جڑی بوٹی فالتو سمجھ کر ختم کر دی جائے تو اس پر پلنے والی جان دار شے قحط کا شکار ہو کر ختم ہو سکتی ہے۔ ادنیٰ سنڈی کی نسل رک جائے تو اس پر پرورش پانے والے پرندے بھی متاثر ہوتے ہیں۔

کیڑے مار ادویات فصلوں میں کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ ساتھ میں یہ ان حیوانات کو بھی ختم کرتی ہیں جو ان حشرات کو بطور خوراک استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح حشرات کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ زیادہ نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ مسئلے کا حل نامیاتی کھاد اور نامیاتی حشرات کش دوائیں ہیں۔

پانی میں phytoplankton جان دار بڑی تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ شعاعی ترکیب (فوٹو

سنتھیسز۔ ضیائی تالیف) کا عمل کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں ۔سمندری آلودگی انہیں ختم کر دیتی ہے اس طرح آکسیجن کی کمی ہو جاتی ہے۔

پانی کی قدرتی ذخیرہ گاہیں Wetlands یعنی مرطوب زمینیں کہلاتی ہیں ۔مثلاً جھیل، دلدل، جوہڑ، ساحلی علاقے ،قدرتی ندی نالے، دریا، ڈیلٹا، سمندر وغیرہ۔ یہاں آدمی اور حیوانات کے لئے وافر پانی اور خوراک موجود ہے۔محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ایک ارب سے زائد لوگ مرطوب زمینوں سے حاصل ہونے والی غذا استعمال کرتے ہیں۔

جان داروں کی ایک بڑی تعداد پانی میں رہتی ہے۔ آبی حیات میں توازن کے لئے پانی کا مخصوص pH، درجۂ حرارت اور دیگر عناصر کی معین مقداریں ضروری ہیں ورنہ نباتات اور حیوانات معدوم ہو جائیں گے۔

پی۔ایچ لیول کیا ہے—؟

دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کیمیائی طور پر مل کر پانی کا ایک مالیکیول (سالمہ) بناتے ہیں۔ پانی لاتعداد مالیکیولوں (سالمات) کا مجموعہ ہے۔ پانی میں آزاد ہائیڈروجن پائے جاتے ہیں جن کو انگریزی میں Potential Hydrogen کا نام دیا گیا ہے۔ پی۔ایچ (pH) اس کا مخفف ہے۔

ماہرین کا اندازہ ہے کہ مرطوب زمینوں میں رہنے والے جان داروں میں ناپید ہونے کی شرح خشکی کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔

فطری ماحول میں بگاڑ کا ردعمل یہ ہے کہ حیوانات اپنا قدیم ماحول چھوڑ کر دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ان کے فطری معاملات میں تغیر واقع ہو رہا ہے اور رہنے کی جگہیں سمٹ رہی ہیں ۔خوراک کم ہو رہی ہے۔غذا اور جگہ کے لئے حیوانات کے درمیان تصادم سے بھی ان کی تعداد میں کمی ہو جاتی ہے۔

جان داروں میں خود کو ایک حد تک ماحول کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن ماحولیاتی تبدیلی اس قدر تیز ہے کہ ایسا نہیں ہو رہا جس سے زمین کے نظام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

درجۂ حرارت میں اضافے کے نتائج یہ ہیں:

★ پرندوں کی افزائش کا نظام متاثر ہوتا ہے اور وہ مقررہ وقت سے پہلے انڈے دینے لگتے ہیں۔

★ پرندوں کی طرح حیوانات میں بھی افزائش نسل کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔

★ ہجرت سے ناموافق درجۂ حرارت کا سامنا ہوتا ہے۔

★ کم درجۂ حرارت میں رہنے والے حیوانات اور نباتات معدوم ہو رہے ہیں۔

تخلیقی فارمولوں کی الہامی کتاب قرآن کریم میں خالق کائنات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ

اجداد کو ہم زندگی کا سروسامان دیے چلے گئے یہاں تک کہ ان کو دن لگ گئے۔ مگر کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ ہم زمین کو مختلف سمتوں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟ پھر کیا یہ غالب آجائیں گے؟" (الانبیاء: ۴۴)

زمین اسپیس ہے اور مخلوق اسپیس میں پیدا ہوتی ہے۔ اسپیس گھٹتی، بڑھتی اور فنا ہوتی ہے۔ تلاش کرنا چاہئے کہ وہ پلیٹ کیا ہے جس پر اسپیس قائم ہے؟ کسی جان دار کے لئے جب اسپیس گھٹتی ہے تو وہ معدوم ہوجاتا ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں،

"دنیا کے اول دور میں ڈائنوسار (Dinosaur) اتنا بڑا جانور تھا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے بچے کی معمولی خوراک یعنی کچھ لقمے تھوڑے سے ہاتھی بنتے تھے مگر نتیجے میں یہ زمین پر سے ختم ہوگئے۔ اس لئے کہ ان کے رہنے کے لئے اسپیس نہیں تھی۔ شروع شروع میں زمین پر جتنی اسپیس تھی وہ سب صرف ہوگئی۔ جیسے جیسے ڈائنوسار کی نسل بڑھتی گئی، اسپیس کم ہوتی گئی اور نتیجے کے طور پر ڈائنوسار ختم ہوگئے۔ موجودہ دور میں بھی بڑے بڑے جانور آہستہ آہستہ ختم ہورہے ہیں کیوں کہ چھوٹے جانور اور انسانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ اب جتنی اسپیس ان کے استعمال کے بعد بچتی ہے اتنی اسپیس میں بڑے جانور پیدا ہوتے ہیں اور نتیجے کے طور پر ان کی تعداد دن بدن کم ہوتی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر ہاتھی، گینڈا، شیر وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں کوئی نہ کوئی جنگ ایسی چھڑے گی جس میں انسان اور چھوٹے جانوروں کی تعداد کم سے کم ہوجائے گی اس لئے کہ اسپیس میں جب ان کی گنجائش نہیں رہتی تو اسپیس کا قانون انہیں ختم کردیتا ہے جیسے کہ بڑے جانور ختم ہوگئے۔" (کتاب: قدرت کی اسپیس)

محققین کے مطابق گزشتہ پانچ بلین سال کے دوران زمین پر بسنے والی انواع میں سے زیادہ تر ناپید ہوچکی ہیں۔ زمین پر اب تک پانچ Mass Extinction (اجتماعی معدومیت) ہوچکے ہیں اور اس وقت ہم اجتماعی معدومیت کے چھٹے کنارے پر ہیں جہاں آئندہ سو سال میں بڑی تعداد میں آدم نوع سمیت کئی نوعوں اور اقسام کے ناپید ہونے کا خطرہ ہے۔

ہمارے اور آنے والی نسلوں کے لئے مستقبل کی یہ تصویر تشویش ناک ہے کہ ایسی دنیا جہاں چیتا، ہاتھی، پرندے، درخت، پھول اور پھل نہ ہوں اور جہاں چڑیوں کے گیت نہ ہوں۔ زمین کے ماحول کو محفوظ بنانے کی ذمہ داری سب کی ہے۔ ماہرین کے مطابق اگر ہم نے ماحول سے دوستی کا گیت نہیں سیکھا اور یہ گیت اپنے بچوں کو نہیں سکھایا تو زمین پر دوسری نوعوں کے ساتھ نوع آدم کو بھی نقصان پہنچے گا اور زمین کے مجموعی ماحولیاتی نظام میں عدم توازن پیدا ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے۔ دعا کریں کہ ہم بھولا ہوا راستہ چھوڑ کر صراط مستقیم پر گامزن ہوجائیں۔

کشتی اور غلام

غلطی کا اعتراف اور معافی مانگنا اللہ کے حضور پسندیدہ عمل ہے۔ اللہ غفور الرحیم ہے، توبہ کے دروازے کھلے ہیں، توبہ کرنے والے کو صراط مستقیم عطا ہوتی ہے۔

اشوریوں کے دور حکومت میں دجلہ کے کنارے ایک چھوٹی بستی کا نام نینوا تھا۔ بستی بادشاہِ وقت کی توجہ کا مرکز بنی اور عظیم الشان شہر میں تبدیل ہوگئی۔ ہوا یہ کہ اشور کے ایک بادشاہ نے اپنے دیوتا کے نام پر نینوا میں مندر تعمیر کرایا۔ اس کے بعد ایک طرف مندر بنتے گئے، دوسری طرف عمارتیں اور مکانات تعمیر ہوتے رہے۔

جس مقام پر عبادت گاہیں ہوتی ہیں وہاں آبادی بڑھتی ہے، ضروریات زندگی کے لئے سہولیات پیدا ہوتی ہیں اور آبادی ایک وقت کے بعد شہر بن جاتی ہے۔ نینوا کی حدود وسیع ہوئی تو بستی، بستی نہ رہی، جدید شہر میں تبدیل ہوگئی جس کے مغرب میں ہرے بھرے لہلہاتے کھیت اور شمال میں بلند و بالا عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ پورا شہر درختوں، پودوں، بل کھاتی بیلوں، پھلوں اور خوب صورت باغات کی تصویر تھا۔ چوراہوں پر فوارے تھے، سنگ مرمر کے تختوں پر نقش و نگار کندہ تھے۔ اشوری پتھر تراش قوم تھی اور یہ لوگ اس فن میں ماہر تھے۔

اہل نینوا کی زبان سامی تھی، تہذیب و تمدن کے لحاظ سے اپنے دور کی انتہائی ترقی یافتہ قوم، سنگدلی میں انتہا پر تھی۔ جب یہ دوسرے علاقوں پر حملہ کرتے تو ہر سر کے بدلے سپاہی کو انعام سے نوازا جاتا تھا۔

اہلِ نینوا کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو مبعوث فرمایا۔ انہیں 28 سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ ان پر صحیفہ نازل ہوا جو عہد نامہ قدیم میں ''یوناہ'' کے نام سے ہے۔

حضرت یونسؑ نینوا تشریف لے گئے، بادشاہ کو پیغامِ حق سنایا اور کہا کہ وہ قید میں موجود اسرائیلیوں کو رہا کرے۔ بادشاہ کو سلطنت خطرے میں محسوس ہوئی، بات سن کر غضب ناک ہوا اور جان کے درپے ہوگیا۔ حضرت یونسؑ نے کوشش جاری رکھی۔ اس دوران عوام کو توحید کی دعوت دی، شرک و بت پرستی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں سے روکا مگر یہ لوگ نافرمانی میں صحیح غلط کی تمیز بھول گئے۔ حضرت یونسؑ نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا مگر ان پر اثر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت

یونسؑ نے بادشاہ وقت اور نینوا کے لوگوں سے فرمایا،

''اگر تم نے چالیس دنوں کے اندر بت پرستی اور شرک سے توبہ نہ کی، ایک اللہ کی پرستش نہیں کی اور اسرائیلیوں کو قید سے آزاد نہیں کیا تو تم پر قہر نازل ہوگا، پورا شہر تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

لوگوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ ہم تمہارے رب کی طرف سے عذاب کے منتظر رہیں گے۔

تیس (30) دن بعد حضرت یونسؑ شہر سے دس بارہ کوس دور چلے گئے۔ پینتیسویں دن نینوا دھوئیں سے بھر گیا، آگ کی بارش شروع ہوگئی۔ اہلِ نینوا خوف زدہ ہوگئے۔ بچے اور بڑے بوسیدہ لباس پہن کر وسیع میدان میں جمع ہوئے، اللہ کے حضور توبہ کی اور صدقِ دل سے حضرت یونسؑ کی پیروی کرنے کا عہد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی اور عذاب ٹل گیا۔

عہد نامہ قدیم میں لکھا ہے،

''اور یوناہ شہر میں داخل ہوا اور ایک دن کی راہ چلا۔ اس نے منادی کی اور کہا، چالیس روز بعد نینوا تباہ ہو جائے گا۔ تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر ایمان لا کر روزے کی منادی کی اور ادنیٰ و اعلیٰ سب نے ٹاٹ اوڑھا اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ تک پہنچی اور وہ اپنے تخت سے اٹھا اور بادشاہی لباس اتار کر ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا اور بادشاہ کے فرمان سے نینوا میں یہ منادی کرا دی گئی کہ کوئی انسان یا حیوان کھانا نہ کھائے، پوری رعایا ٹاٹ پہنے گی، اپنے جانوروں پر بھی ٹاٹ کے جھول ڈال دیئے جائیں، سب انسان خدا کے حضور گریہ وزاری کریں، ہر شخص بری روش اور ظلم سے باز رہنے کا عہد کرے تا کہ خدا رحم کرے اور اپنا ارادہ بدل دے اور عذاب سے ہمیں نجات مل جائے۔ جب خدا نے ان کی یہ حالت دیکھی کہ یہ بری روش سے باز آئے تو اس نے ان پر عذاب نازل نہیں کیا۔''

(یوناہ۔ باب ۳، آیت: ۴۔۱۰)

قوم یونسؑ نے سچائی کی راہ اپنائی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان پر کرم فرمایا۔ آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر ہے تا کہ آئندہ نسلیں تاریخ سے سبق لے کر اپنی راہ درست کریں۔

''کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونسؑ کی قوم کے سوا، وہ قوم جب ایمان لے آئی تھی تو ہم نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا اور اس کو ایک مدت تک زندگی سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیا تھا۔'' (یونس: ۹۸)

حضرت یونسؑ شہر سے باہر نینوا کی تباہی کے منتظر تھے۔ انہیں خبر نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل نینوا کو معاف کر دیا ہے۔ چالیس روز گزر گئے، عذاب نازل نہیں ہوا۔ حضرت یونسؑ یہ سوچ کر شہر میں داخل نہیں ہوئے کہ لوگ ان کا یقین نہیں کریں گے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اہلیہ اور دو بچوں کے ہمراہ وہاں سے چل دیئے۔

روایت ہے کہ انہوں نے روم کی طرف سفر کیا۔ ایک مقام پر گھر والوں کو تنہا چھوڑ کر کسی کام سے جانا پڑا۔ ان کی غیر موجودگی میں بادشاہ کی سواری گزری۔ بادشاہ نے بیابان میں جمیل خاتون دیکھی تو وہ بچوں کو چھوڑ کر ماں کو زبردستی ساتھ لے گیا۔ حضرت یونسؑ کو خبر ہوئی۔ وہ مشیت ایزدی سمجھ کر خاموش ہو گئے اور بچوں کے ہمراہ دوبارہ سفر شروع کیا۔

راستے میں ندی آئی۔ ایک بیٹے کو ندی کنارے چھوڑا اور دوسرے کو کندھے پر سوار کر کے ندی عبور کر رہے تھے کہ تیز لہر آئی اور بچے کو ساتھ لے گئی۔ انہوں نے صبر سے کام لیا اور دوسرے بیٹے کو لینے کنارے پر پہنچے — اسے بھیڑیا لے جا چکا تھا۔

انہوں نے سفر جاری رکھا۔

دریائے فرات پہنچے جہاں مسافر کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ آپ بھی کشتی میں بیٹھے۔ کشتی سمندر کے بیچ پہنچتے ہی طوفان کی زد میں آ گئی۔

لوگوں کا عقیدہ تھا کہ مفرور غلام کے سوار ہونے سے کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے۔

ملاح نے مسافروں سے کہا، کشتی میں مفرور غلام موجود ہے، بہتر ہے وہ دریا میں کود جائے ورنہ اس کی وجہ سے سارے مسافر ڈوب جائیں گے۔

اس موقع پر حضرت یونسؑ کو احساس ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نینوا سے نکلے ہیں۔ انہوں نے اعتراف کرنے میں دیر نہیں کی اور کشتی والوں سے فرمایا،

''میں اپنے آقا کی مرضی اور حکم کا انتظار کیے بغیر چلا آیا ہوں۔ میں ہی وہ غلام ہوں جس کی وجہ سے کشتی طوفان کی زد میں ہے۔''

پروقار شخصیت دیکھ کر ملاح نے دریا میں کودنے کی اجازت نہیں دی۔ طوفان کی شدت میں اضافے پر قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا۔ ہر بار حضرت یونسؑ کا نام آیا۔ مجبوراً انہیں دریا میں پھینک دیا گیا جہاں ایک بڑی مچھلی ان کی منتظر تھی۔

''اور یقیناً یونس بھی رسولوں میں سے تھا۔ یاد کرو جب وہ بھری کشتی کی طرف بھاگ نکلا پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوا اور نکلا خطاوار۔ پھر مچھلی نے اسے نگل لیا اور وہ ملامت زدہ تھا۔'' (الصّٰفّٰت: ۱۳۹۔۱۴۲)

مچھلی کے پیٹ کی تاریکی میں رب ذوالجلال کی حمد و ثنا کے ساتھ معافی کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تکلیف سے نجات دی۔

''اور مچھلی والے کو بھی ہم نے نوازا۔ یاد کرو جب کہ وہ بگڑ کر چلا گیا اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ آخر کو اس نے تاریکیوں میں سے پکارا کہ نہیں ہے کوئی معبود تیرے سوا، تو پاک ہے۔ بے شک میں نے قصور کیا۔ تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔'' (الانبیآء: ۸۷۔۸۸)

حضرت یونسؑ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ پھر اللہ کے حکم سے مچھلی نے انہیں خشکی پر اگل

دیا اور دھوپ کی تمازت سے محفوظ رکھنے کے لئے وہاں سایہ دار درخت اگا دیا۔

''اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو روز قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتا آخر ہم نے اسے بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیا اور اس پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔''

(الصّٰفّٰت: ۱۴۳_۱۴۶)

روایت ہے کہ یہ بیل دار درخت کدو کا تھا۔

''مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونسؑ کا جسم نومولود پرندے کے جسم کی طرح نرم و نازک اور ملائم ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ صحت بحال ہونے لگی اور اس مقام پر جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ ابھی قیام کو چند روز گزرے تھے کہ اس بیل دار درخت کی جڑ کو دیمک نے کھا لیا۔ حضرت یونسؑ درخت سوکھ جانے پر پریشان ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اس درخت کے اجڑنے پر رنجیدہ ہو لیکن یہ نہیں سوچا کہ نینوا جو ایک لاکھ سے زائد افراد پر مشتمل شہر ہے، کیا مجھے اس کے برباد ہونے پر ناگواری نہیں ہوگی؟''

(کتاب: محمد رسول اللہؐ۔ جلد سوم)

حضرت یونسؑ بہت نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اہلِ نینوا کی راہ نمائی کا حکم دیا۔

''اس کے بعد ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا اور وہ ایمان لائے اور ہم نے ایک وقت خاص تک انہیں باقی رکھا۔''

(الصّٰفّٰت: ۱۴۷-۱۴۸)

اہلِ نینوا نے اپنے راہ نما کا پرتپاک استقبال کیا اور فرماں برداری کی۔ اہلیہ اور بچے حضرت یونسؑ سے جدا ہو گئے تھے، اللہ نے ایک بار پھر ملا دیا۔

حضرت یونسؑ نے بقیہ عمر نینوا میں گزاری اور موصل کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت یونسؑ جن حالات سے گزرے، اس کی وجوہات ہیں۔ اللہ کی طرف سے عذاب کا حکم نہیں ہوا تھا، انہوں نے خود اعلان کر دیا۔ وہ اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر نینوا سے چل دیئے، اور لوگوں کی اپنے بارے میں رائے کے خدشے سے نینوا واپس نہیں گئے۔

حضرت یونسؑ اللہ کے نبی ہیں۔ انہوں نے ہر تکلیف پر صبر کیا۔ غلطی کا احساس ہوتے ہی معافی مانگی۔ غفور الرحیم اللہ نے معاف کر دیا۔

واقعہ پڑھ کر اپنا محاسبہ کیا جائے تو ہمارا عمل اور ہماری حیثیت کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی عمل میں مفرور غلام کی ہے۔ ہم وہ غلام ہیں جنہیں اللہ نے اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے مگر ہم بھول بھلیوں میں گم ہیں اور وہ راستہ اختیار کیا ہے جس میں بے سکونی کے علاوہ کچھ نہیں۔ سکون صرف اللہ کی فرماں برداری سے حاصل ہوتا ہے۔ غلطی کا اعتراف اور معافی مانگنا اللہ کے حضور پسندیدہ عمل ہے۔ اللہ غفور الرحیم ہے، توبہ کے دروازے کھلے ہیں، توبہ کرنے والے کو صراط مستقیم عطا ہوتی ہے۔

حامد ابراہیم

لہر

الف ـــ ب ـــ ج

ایٹم کے اندر موجود لہروں کا نظام روشنی کی دنیا کا سراغ دیتا ہے چناں چہ ہم اپنے ماحول میں جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ ایک طرف مادی تشخص رکھتا ہے اور دوسری طرف روشنی کا ہیولا ہے۔ روشنی کے ہیولے میں جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں اسی کے مطابق مادی تشخص میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

تقریباً نصف انچ قطر موٹائی اور دس میٹر لمبائی کی ایک رسی ہے جو لچک دار اور مضبوط ریشوں سے بُنی گئی ہے۔ رسی کا ایک سرا دیوار میں پیوست میخ کے ساتھ بندھا ہوا ہے جب کہ دوسرا سرا فرد "الف" کے ہاتھ میں ہے۔ فرد الف رسی کو قدرے تنی ہوئی حالت میں اوپر نیچے حرکت دیتا ہے تو رسی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ حرکت دینے سے رسی میں جو لہریں پیدا ہوئیں ان میں توانائی دیوار کے مقابلے میں کم ہے کیوں کہ دیوار زیادہ وزنی ہے، اس لئے رسی کی لہریں پلٹ آتی ہیں۔ جب تک الف رسی کو مخصوص ردھم میں حرکت دیتا رہے گا، لہریں پیدا ہوتی رہیں گی۔

تالاب کے کنارے آٹھ سال کا بچہ کھڑا ہے۔ بچے کے ہاتھ میں کنکر ہیں۔ بچہ ایک کنکر تالاب میں پھینکتا ہے۔ کنکر پانی میں گرنے سے لہریں پیدا ہوتی ہیں اور دائروں میں کناروں تک پھیل جاتی ہیں۔ تواتر سے کنکر پھینکا جائے تو لہریں بننے کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

ریڈیو اسٹیشن کے ٹاور پر نشریاتی آلات نصب ہیں۔ یہ آلات برقی سگنلز کو وصول کر کے ٹرانس میٹر میں بھیجتے ہیں۔ ٹرانس میٹر میں حساس انٹینا ہے جس کے الیکٹران برقی سگنلز کی فریکوئنسی میں ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔ الیکٹران منفی چارج کا حامل برقی ذرّہ ہے جس کے ارتعاش سے برقی مقناطیسی لہریں پیدا ہوتی ہیں اور روشنی کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔

فرد ب اپنے دوست ج سے مخاطب ہے۔ فرد ب اپنے گلے، منہ اور حلق کی ساخت کی مدد سے ہوا میں مخصوص ارتعاش پیدا کرتا ہے جو لہر کی شکل میں ج کے کانوں سے ٹکراتا ہے۔ کان اس ارتعاش کو برقی لہر میں تبدیل کر کے دماغ تک پہنچاتا ہے اور ج اپنے دوست ب کی بھیجی گئی لہر کے مفہوم سے واقف ہو جاتا ہے۔

لہر کسی بھی قسم کی ہو، خواہ مادی میڈیم کی حد تک ہو یا روشنی اور اس سے ماورا میڈیم ہو، سب کی تخلیق میں ایک اصول کارفرما ہے جسے ہم حرکت کا نام دے سکتے ہیں۔

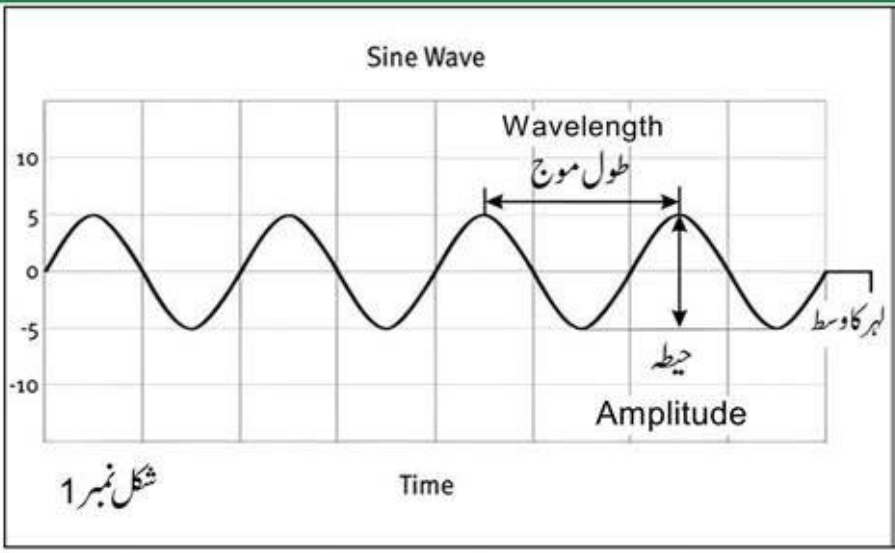

حرکت کا تسلسل قائم رہتا ہے تو اسے ہم لہر سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہر کسی بھی نوعیت کی ہو، حرکت ہے۔ محققین کے مطابق ہر قسم کی لہر ارتعاش سے پیدا ہوتی ہے۔ ارتعاش ایسی حرکت ہے جس میں تسلسل ہے، تسلسل رہے تو لہروں کی تخلیق عمل میں آتی رہتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلائی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑے ہیں اور دریا بہا دیئے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے ثمرات کے جوڑے پیدا کئے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے، ان ساری چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں۔'' (الرعد: ۳)

ہر شے کی تخلیق دو رخوں پر ہے۔ لہروں کی تمام اقسام میں یہ اصول اظہر من الشمس ہے۔ سائنس کے طلبا اس قانون سے واقف ہیں کہ تمام اقسام کی لہروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم ان لہروں کی ہے جن میں حرکت کے ذرّات یا قوتیں، لہر کے سفر کرنے کی سمت کے عمودی رخ (90 ڈگری) پر اوپر نیچے حرکت کرتی ہیں۔ سانپ کی لہردار حرکت اس کی مثال ہے۔ اگر سانپ کے سفر کرنے کا رخ شرقاً غرباً ہے تو سانپ کے بل کھانے کا رخ شمالاً جنوباً ہوگا۔ زیادہ تر لہریں اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ رسی اور پانی میں ارتعاش سے پیدا ہونے والی لہریں حتیٰ کہ روشنی اور تمام برقی مقناطیسی لہریں، transverse لہریں کہلاتی ہیں۔ ان کی سادہ ترین شکل کو sine curve کہتے ہیں۔

شکل نمبر (1) دیکھئے ــــ شکل میں واضح ہے کہ اس طرح کی لہر اپنے وسطی مقام سے دونوں اطراف ایک جیسے خم رکھتی ہے یعنی ایک جیسے خم مخالف سمت میں جوڑے کی صورت میں منسلک ہیں۔ بظاہر لہر ایک ہے مگر دو ایک جیسے مخالف رخوں سے تخلیق پائی ہے۔

دوسری بڑی قسم ان لہروں کی ہے جن میں لہر کے میڈیم کے ذرّات یا قوتیں، لہر کے سفر کرنے کی سمت

کے متوازی آگے پیچھے حرکت کرتی ہیں۔

شکل نمبر(2) دیکھئے — اس قسم کی لہر سے واضح ہے کہ ارتعاش کم دباؤ اور زیادہ دباؤ کے جوڑوں کی صورت میں ہے۔ زیادہ دباؤ کی جگہ compression اور کم دباؤ کی حامل جگہ rarefaction کہلاتی ہے۔ طبعی سائنس کی اصطلاح میں ان کو longitudinal لہریں کہتے ہیں۔

اس مختصر بیان کا مقصد یہ ہے کہ لہروں کی تخلیق دو مخالف رخوں سے کی گئی ہے۔ چوں کہ مادی تحقیقات سے دریافت ہو چکا ہے کہ ہر شے خواہ وہ مادے سے بنی ہو یا توانائی کی کوئی شکل ہو، اس کی بنیاد لہر ہے۔ لہر دو رخوں پر ہے تو لامحالہ لہر سے تخلیق پانے والی ہر شے میں دو رخ موجود ہیں۔

رنگ و نور کے عارف عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

"مادے کے اندر تفکر کیا جاتا ہے تو مادی قوانین اور مادی خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔ جب ہمارا ذہن مادے کی گہرائی میں جستجو کرتا ہے تو ایسی دنیا کا پتہ چلتا ہے جو مادیت کی بنیاد ہے۔ اس کو ہم لہروں کی دنیا یا روشنی کی دنیا کہہ سکتے ہیں۔ سائنس دانوں نے مادے کے اجزائے ترکیبی تلاش کیے تو ایٹم اور ایٹم کے ذرّات سامنے آئے۔ ایٹمی ذرّات میں الیکٹران کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں کہ وہ دوہری خصوصیات کا مالک ہے۔ ایک طرف مادی ذرّہ ہے تو دوسری طرف لہر ہے۔ ایٹم کے اندر موجود لہروں کا نظام روشنی کی دنیا کا سراغ دیتا ہے چناں چہ ہم اپنے ماحول میں جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ ایک طرف مادی تشخص رکھتا ہے اور دوسری طرف روشنی کا ہیولا ہے۔ روشنی کے ہیولے میں جو تحریکات پیدا ہوتی ہیں اسی کے مطابق مادی تشخص میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔"

اس اقتباس میں اشیا کے دوہرے رخ پر ہونے کی تشریح ہے۔ مادہ بظاہر ساکت و جامد اور ٹھوس تشخص رکھتا ہے لیکن جن روشنیوں اور لہروں پر اس کا قیام ہے، وہ ہمہ وقت حرکت میں ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر مادے کے ظاہری رخ کو مغلوب کر کے باطنی رخ یعنی روشنی اور لہر کے نظام سے رابطہ کیا جائے تو مادی لباس میں رہتے ہوئے روشنی کی سرعت (رفتار) اور لطافت سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

سوال: ہمارا جسم مادے سے بنا ہے اور مخفی رخ روشنی یا لہروں کے نظام پر مشتمل ہے۔ ہم کس طرح روشنی کے رخ سے واقف ہو سکتے ہیں؟ کیا واقف ہوئے بغیر اپنے بارے میں جان سکتے ہیں؟

سادہ جواب ہے کہ اپنے نصف سے ہم واقف نہیں تو اپنے بارے میں ہماری رائے درست کیسے ہو سکتی ہے!

فلموں، ناولوں اور تصوراتی خاکوں میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ مافوق الفطرت صلاحیتوں اور قابل یقین قوتوں کے حامل کردار بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں تو انکشاف ہوتا ہے کہ آدمی لاشعوری طور پر اپنے

اندر موجود انسان کی صلاحیتوں سے کچھ نہ کچھ واقف ہے اور ان کا کسی نہ کسی صورت میں اعتراف کرتا ہے۔

سوال کا پہلا جزو یہ ہے کہ ہم کس طرح لہروں کے نظام میں داخل ہو کر روشن رخ سے واقف ہوں؟

الہامی کتب اور آخری کتاب قرآن کریم میں لہروں کے وقوف کے پروگرام کو صلوٰۃ کا نام دیا گیا ہے۔ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ سے ربط ہے، ربط یکسوئی سے پیدا ہوتا ہے اور یکسوئی تفکر کا نتیجہ ہے۔

لہروں کی وسعت: لہر کا اپنے وسط سے اوپر نیچے اطراف میں پھیلاؤ اس لہر کا حیطہ (amplitude) کہلاتا ہے اور فی سیکنڈ امواج کے گزرنے کی شرح کو فریکوئنسی کہتے ہیں۔ لہر کے ایک فراز (یا نشیب) سے دوسرے فراز (یا نشیب) تک کا فاصلہ طول موج کہلاتا ہے۔ طول موج جتنی بڑی ہوگی، فریکوئنسی اتنی کم ہوگی۔ جیسے کنگھی کے دندانے جتنے زیادہ ہوتے ہیں، دندانوں کا آپس میں فاصلہ اتنا کم ہوتا ہے۔ زیادہ فریکوئنسی کی لہریں زیادہ توانائی کی حامل ہوتی ہیں، ان کے راستے میں رکاوٹ آجائے یا مزاحمت ہو جائے تو یہ اپنی توانائی جلد ضائع کر دیتی ہیں اور چھوٹی طول موج کی وجہ سے چھوٹے حجم کی چیزوں سے مزاحم ہو جاتی ہیں۔

گاما ریز اور ایکس ریز طاقت ور سمجھی جاتی ہیں۔ یہ ایٹمی اور نیوکلیائی سطح پر چیزوں سے مزاحم ہو سکتی ہیں۔ نتیجے میں اشیا کی ماہیت میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔

ایکس ریز کو زیادہ توانائی اور زیادہ فریکوئنسی کی بنا پر صحت کے لئے اتنا حوصلہ افزا قرار نہیں دیا جاتا۔ اس کے بعد بالائے بنفشی اور پھر بنفشی سے مرئی روشنیوں کا آغاز ہوتا ہے اور سرخ پر اختتام ہو جاتا ہے۔ پھر ریڈار اور اس کے بعد مائیکرو ویو لہریں ہیں جو خلیاتی سطح پر توانائی منتقل کر سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں کھانا گرم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

مضمون میں زیادہ قابل ذکر لہروں کو مختصر بیان کیا گیا ہے ورنہ ایک قسم سے دوسری قسم تک لاشمار اقسام کی لہریں درمیان میں موجود ہیں۔

مائیکرو ویو کے بعد ریڈیو ویوز کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ ریڈیائی لہریں دوسری لہروں کی نسبت فریکوئنسی میں کم لیکن طول موج میں بڑی ہیں۔ ریڈیو کی نشریات کے لئے ان مقداروں کی لہروں کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ کیوں کہ طول موج بڑی ہونے کی وجہ سے یہ لہریں رکاوٹوں سے کم متاثر ہوتی ہیں اور عمارتوں اور درختوں وغیرہ کے درمیان خلا کو بآسانی پُر کر سکتی ہیں۔

ریڈیائی لہروں میں نسبتاً short wave اور long wave کی تقسیم موجود ہے۔

چھوٹی ریڈیائی لہروں میں FM قابل ذکر ہیں۔ ایف ایم بینڈ ریڈیو کی لہریں لمبائی میں 2.8 میٹر سے 3.4 میٹر تک ہوتی ہیں، اور عمارتوں کے اندر یا آس پاس ہر خلا کو پُر کرنے کی خاص صلاحیت نہیں رکھتیں۔

تب ہی ایف ایم ریڈیو کی نشریات ہر جگہ اچھی طرح موصول نہیں ہوتیں۔

بڑی ریڈیائی لہروں میں AM ریڈیو بینڈ معروف ہے۔اے ایم ریڈیو کی لہریں لمبائی میں 180 میٹر سے 550 میٹر تک ہوتی ہیں۔ اور عمارتوں کے اندر باہر کسی جگہ کو خالی نہیں چھوڑتیں۔ یہی وجہ ہے کہ اے ایم ریڈیو کی نشریات صاف اور واضح سنی جاسکتی ہیں۔

نکتہ: لہر جتنی بڑی ہوگی راستے میں رکاوٹوں کو اتنا ہی غیر موجود یا غیر مزاحم دیکھے گی یعنی اگر لہر کسی سیارے کے قطر سے بڑی ہو تو سفر کے دوران سیاروں کو موجود نہیں جانتی۔ اگر نظام شمسی سے بڑی ہو تو سفر کے دوران نظام ہائے شمسی کو موجود نہیں جانتی حتیٰ کہ لہر میں اتنی وسعت ہے کہ کائنات کو محیط ہو سکتی ہے۔

بابا تاج الدین ناگپوریؒ فرماتے ہیں،

''سائنس دان روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے۔ البتہ انا کی لہریں لاتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی اور مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔''

اس قانون کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ''کتاب'' کا علم رکھنے والے بندے کا قصہ پڑھیں اور تفکر کریں۔ جو بات سمجھ میں آئے، ادارے کو لکھ کر بھیج دیں۔

ہر فرد، شے، ذرّہ، ستارہ اور سیارہ ــــ سب انا کی لہروں کے مختلف فارمولے ہیں جن سے نوعوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ عظیمی صاحب نے ان لہروں کی رفتار کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ تفکر دراصل ''انا'' ہی ہے۔ یہ وہ انا نہیں جسے عرف عام میں انفرادیت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ تصوف میں انا کے معنی وہ مطلق صفت ہے جس کے لئے کائنات کے زمانی و مکانی فاصلے بے معنی ہیں۔ تفکر سے انا کی لہروں کی وسعت اور صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عام آدمی اس بات سے کسی حد تک واقف ہے کہ جب کسی نقطے پر تفکر کیا جاتا ہے تو بے شک وہ کائنات کے دور دراز گوشوں سے متعلق ہو، تفکر کی دسترس اس تک ضرور ہوتی ہے۔ روزمرہ گفتگو میں ہم تخیل کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں شاعر یا ناول نگار کا تخیل اس قدر وسیع ہے وغیرہ۔ اس میں خوش آئند پہلو یہ ہے کہ ہم لاشعوری طور پر انا کی لہر اور میکانزم کی اہمیت کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم اتنے بڑے کائناتی راز سے شعوری طور پر واقف نہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے رحمۃ للعالمینؐ کے طفیل ہمیں ان علوم کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بڑے (macro) اجسام اور لہریں:

الیکٹران بہت چھوٹا ذرہ ہے اس لئے اس کی طبع کا دوہرا پن (لہر اور ذرہ) بہت زیادہ واضح ہے۔ الیکٹران کی حرکت ہمیشہ لہر کی صورت میں ہے۔ لہر کی رفتار اس قدر ہے کہ الیکٹران کو ایک وقت میں ایک نقطے پر تلاش کرنا محققین کے بقول ناممکن ہے۔ جب ہر شے کا قیام لہر پر ہے پھر ہم حواس خمسہ سے اس لہر کا ادراک کیوں نہیں کرسکتے۔؟

آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت کی رو سے یہ تجرباتی طور پر بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جسم کتنا بڑا کیوں نہ ہو، اس کی حرکت ہمیشہ لہر کی صورت میں ہوتی ہے۔ البتہ لہر چوں کہ ایٹمی اور نیوکلیائی سطح کی پیمائشوں کی ہے جو الیکٹران کے لئے بہت بڑی اور واضح ہے لہٰذا ہمارے مادی حواس اس قدر لطیف نہیں کہ اس سطح کی لہر کا ادراک کرسکیں۔ چناں چہ آئن اسٹائن نے یہ اخذ کیا اور بعد میں سائنس دانوں نے اس کی تصدیق کی کہ ہر شے بنیادی طور پر روشنی کی لہروں کے طول موج یا ان کے کسی حاصلِ ضرب کے تحت حرکت کرتی ہے۔ البتہ یہ عین ممکن ہے کہ اس شے کے یا فرد کے حواس اتنے حساس نہ ہوں کہ وہ اس لہر کا اندازہ کرسکیں۔

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ فرماتے ہیں،

”سائنس کا عقیدہ ہے کہ زمین اور زمین پر موجود ہر شے کی بنیاد یا قیام لہر اور صرف لہر پر ہے۔ ایسی لہر جس کو روشنی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا اور

سر ٹھنڈا ـــ پیر گرم

معروف ادیب جارج برنارڈ شاہ سے صحافی نے طویل عمر کا راز پوچھا۔ انہوں نے کہا، میں سر ٹھنڈا اور پیر گرم رکھتا ہوں۔ صحافی نے یہ بات اخبار میں شائع کردی۔ کچھ لوگ خبر پڑھ کر طویل عمری کے لئے سر پر برف رکھنے لگے اور پاؤں سینکنے شروع کردیئے۔ انہیں نمونیہ ہوگیا۔

بات جارج برنارڈ شاہ تک پہنچی تو کہا، بے وقوفو! سر ٹھنڈا رکھنے سے مراد ہے کہ میں غصے سے دور رہتا ہوں اور پیر گرم رکھنے کا مطلب ہے کہ پیدل چلتا ہوں۔

پوری کائنات صرف ایک ہی قوت کی مختلف شکلوں کا مظاہرہ ہے۔ کائنات میں ممتاز ہونے کی حیثیت سے ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ یہ لہر اور روشنی کیا چیز ہے۔

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا ہے،

God said light and

there was light

یعنی خدا نے کہا 'روشنی' اور روشنی وجود میں آگئی۔ اس بات کو قرآن کریم نے اللہ نور السمٰوٰت والارض۔ یعنی اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، کہہ کر بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لہر یا روشنی اور زمین و آسمانوں کی بساط براہِ راست اللہ کی ذاتِ مطلق سے قائم ہے۔ جب یہ ساری کائنات بشمول انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات روشنیوں اور لہروں پر قائم ہے تو اس کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ سب موجودات دراصل اللہ کے نور (لہر) کا مظاہرہ ہے۔ اسی لہر یا روشنی کو مذہب نے روح کا نام دیا ہے۔“

عابد محمود

امید کی کرن

ہر نوجوان اس شعبے میں جانا چاہتا ہے جس میں آمدنی زیادہ ہو۔ علم وفن کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس شعبے کو تکنیکی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا، اس میں وسعت پیدا ہوگی اور صارفین کی کشش بڑھ جائے گی۔

جمیل ملازمت کی تلاش میں صبح سے جرمنی کے شہر ہیمبرگ کی سڑکیں چھان رہا تھا۔ مختلف جگہوں پر کوشش کی کہ کام مل جائے لیکن ناکامی ہوئی۔ وہ گھومتا پھرتا راٹ ہاؤس کے وسیع میدان میں ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔

راٹ ہاؤس ہیمبرگ شہر کے وسط میں خوب صورت جگہ تھی جہاں پر وسیع گراؤنڈ ہمیشہ لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔ جمیل جس بینچ پر بیٹھا، وہاں قریب ایک مداری کرتب دکھانے کے لئے ماحول بنا رہا تھا۔ اس نے بیگ سے ایک پہیے والی سائیکل نکالی اور مہارت سے چلانے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ راٹ ہاؤس میں موجود لوگوں کی توجہ مبذول کرنے میں کام یاب ہوگیا۔ خواتین و حضرات اور بچے اکٹھا ہونے لگے۔ اب مداری نے سائیکل ایک طرف رکھی اور بیگ سے چار انچ کے پہیے کی سائیکل نکالی۔ پھر اس چھوٹی سائیکل پر بیٹھ گیا اور مزے سے چلانے لگا۔

لوگوں نے حیرت سے مداری کو دیکھا جو اطمینان سے چھوٹی سائیکل پر گراؤنڈ کے چکر لگا رہا تھا۔ بچوں اور بڑوں نے تالیاں بجا کر داد دی۔

اس کے بعد مداری نے بیگ میں سے پائپ نکالے اور پہیے پر لگانے کے بعد سائیکل کو چودہ فٹ اونچائی پر لے گیا۔ چودہ فٹ پائپ جس طرح بیگ میں لپیٹ کر رکھا گیا تھا، اس کا سہرا ٹیکنالوجی کے سر ہے جس نے بڑی چیزوں کے حجم (سائز) کو چھوٹا کر دیا ہے۔ سائیکل چلانے کے لیے پیڈل موجود نہیں تھے۔ کرتب دکھانے والے نے سیٹ پر بیٹھنے کے لئے پہیے کو ایک بینچ سے اٹکا کر توازن کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے سائیکل کو سیدھا کھڑا کر لیا اور بغیر پیڈل کے کرتب دکھانے لگا۔ لگتا تھا ابھی گرے گا۔

بار بار گرنے کی اداکاری سے تماشائیوں کی چیخیں بلند ہونا شروع ہوئیں تو مداری سائیکل سے نیچے اترا اور جرمن زبان میں بولا، آپ لوگ پریشان نہ ہوں، میں نے کرتب دکھانے کے لئے تعلیم حاصل کی ہے اور میرے پاس اس کی ڈگری ہے۔

یہ سن کر جمیل پہلے حیران ہوا پھر بے اختیار مسکرا دیا

کہ بھلا مداری بننے کے لئے بھی ڈگری کی ضرورت ہوتی ہے۔ واہ! کیسا دیس ہے یہ!

جمیل نے گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے مشہور شاہراہ پر موجود ریستوران میں قدم رکھا۔ کاؤنٹر پر ایشیائی باشندہ نظر آیا تو اعتماد بحال ہوا۔ سلام کر کے پوچھا، سر! کیا یہاں ویٹر کی نوکری مل سکتی ہے؟

اس نے پوچھا، پاکستان سے ہو؟

جمیل نے اردو میں بات کرتا دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔ دیار غیر میں ہم وطن مل جائے تو امید کی کرن محسوس ہوتا ہے۔ اثبات میں سر ہلایا اور بولا، مجھے ملازمت کی تلاش ہے۔ میں یہاں ویٹر بن سکتا ہوں؟

کیا تم نے ویٹر سے متعلق تعلیم حاصل کی ہے؟

ویٹر سے متعلق تعلیم؟

کاؤنٹر پر کھڑا شخص مسکراتے ہوئے بولا، بھائی! ہمارے وطن میں کسی بھی شعبے کی تکنیکی ضروریات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ کوئی چھوٹو مل جائے تو اسے ویٹر بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں ایسا نہیں ہے۔

جمیل نے سوالیہ نظروں سے دیکھا کہ ویٹر بننے کے لئے کون سی تکنیک کی ضرورت ہے۔

بھائی! یہاں ویٹر بننے کے لئے پہلے پڑھنا پڑتا ہے جس میں ہر قسم کے کھانوں میں موجود کیلوریز، وٹامنز اور شوگر کی مقدار کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو کھانے کے انتخاب میں آسانی ہو۔ تم فی الحال ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ بہتر ہے صفائی ستھرائی پر لگ جاؤ۔ ہوٹل میں واش روم کی صفائی سے لے کر فرش کی صفائی اور کمروں کی چادریں بدلنے کی ذمہ داری تمہیں دی جا سکتی ہے۔

جمیل نے حیرانی سے کاؤنٹر پر موجود شخص کی طرف دیکھا اور سوچنے لگا کہ پہلے مداری اور اب ویٹر! ویٹر بننے کے لئے بھی تعلیم حاصل کرنا پڑتی ہے۔ اتنے معمولی کام کے لئے ڈگری چاہئے—؟ وہ بولا، جب اس کے لئے بھی ڈگری لینی ہے پھر میں ویٹر کیوں بنوں، ڈاکٹر یا انجینئر کیوں نہ بن جاؤں—؟

ایشیائی باشندے نے کہا، بھائی! یہ لوگ ہر کام کو عبادت اور ہنر سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہاں چھوٹا بڑا کوئی نہیں، محنت کرنے والے کی عزت ہے۔ اپنے ملک میں ٹیکسی چلاتے اور ویٹر بنتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے کیوں کہ ہم ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے مگر یہاں وہ سارے کام بآسانی کر لیتے ہیں جسے اپنے ملک میں معیوب سمجھتے ہیں۔

معاشرتی و سماجی نظام میں تمام شعبے نوع آدم کی ضروریات سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ ضروریات ہر معاشرے میں علوم و فنون کی نشوونما کا باعث ہیں۔ صرف ذائقے کے لئے پوری فوڈ انڈسٹری قائم ہے۔ آدمی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے ہر شعبے میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ وہ

ذائقے کی تسکین کے لئے نئے نئے ذائقوں سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ آگہی آج صنعت کا درجہ حاصل کر کے عروج پر ہے۔ کھانوں میں نئے نئے ذائقے پیدا کرنے کے لئے شیف کی موجودگی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ ریستوران، ہوٹل، حلوائی کی دکانیں، بیکریاں اور پکوان سینٹر سے لے کر محلے میں برگر کی ریڑھی تک لاکھوں افراد کا ذریعۂ معاش ذائقے کی حس کی تسکین ہے۔

ہر شعبہ ابتدا میں اندازوں کی بنیاد پر قائم کیا جاتا ہے، اندازے جب پیمانوں میں بدلتے ہیں تو وہ شعبہ علم و فن کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

عمومی طور پر گھروں میں خواتین اندازے سے کھانا بناتی ہیں۔ نمک اور مرچ مسالاجات کی مقداریں اندازوں پر قائم ہونے کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خواتین کے کھانوں میں نمک یا دوسرے مسالوں کی کمی بیشی سے ذائقہ بدلتا رہتا ہے۔

جو کھانا ریستوران اور ہوٹلوں میں پکایا جاتا ہے اس کے پیمانے مقرر کئے جاتے ہیں تا کہ نمک، مرچ، پیاز، لہسن، ادرک اور دیگر مسالاجات سے مخصوص ذائقہ برقرار رہے اور کھانے کا معیار بھی قائم رہے۔ اس لئے فوڈ انڈسٹری نے گھروں میں بننے والے کھانوں سے زیادہ ذائقہ حاصل کیا۔

کوئی کام چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ ہماری سوچ اسے چھوٹا بڑا دکھاتی ہے۔ جس شعبے کو ہم اہمیت دیں گے، اس میں تحقیق و تلاش بڑھے گی اور وہ صنعت کا درجہ اختیار کر لے گا۔ ہر کام اپنے اندر علم کی لامحدود وسعت رکھتا ہے۔ جب کام کو محض مجبوری سمجھ کر کیا جاتا ہے تو وہ فن کا درجہ حاصل نہیں کر پاتا۔ ذوق و شوق موجود ہو تو ہر کام اپنی وسعت میں نئی نئی راہیں تلاش کر لیتا ہے۔ اس میں دن بدن نکھار اور جدت آتی ہے۔ اب وہی کام جسے عموی سمجھا گیا، خصوصی علم کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

بہت سے شعبہ جات کے ہم نے قاعدے اور ضابطے مقرر کر کے ان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے لیکن جن شعبوں کے پیمانے مقرر نہیں کئے، وہ بنیادی ضرورت ہونے کے باوجود ہماری ترجیحات میں شامل نہیں ہوتے اور ہم ان شعبوں سے وابستہ لوگوں کو تیسرے درجے کا شہری سمجھتے ہیں۔ جیسے درزی، لوہار، مستری، ڈرائیور، ترکھان، حجام، موچی اور باورچی وغیرہ۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ سلائی کا شعبہ بڑی صنعت بن گیا ہے۔ درزی کو ڈیزائنر کہیں تو اس کی اہمیت ہے لیکن درزی کی اہمیت نہیں ہے۔ حجام کو لوگ کم تر سمجھتے ہیں مگر مغرب میں آج وہ ہیئر اسٹائلسٹ ہے۔

ابتدا سے ہنر سیکھنے کے لئے ایک ہی طریقہ رائج ہے کہ بچے کو استاد کے پاس بھیجا جاتا ہے اور وہ اسے ہنر سکھاتا ہے۔ ہر استاد طالب علم کو وہی سکھاتا ہے جو اس نے خود سیکھا اور سمجھا ہے اس طرح استاد کی تربیت

بچے کا علم بن جاتی ہے۔ اگر استاد اپنے فن میں طاق ہے تو وہ معاشرے کو اچھا شاگرد دیتا ہے۔ استاد اپنے فن میں ماہر نہیں تو اس کی کم علمی اگلی نسل میں منتقل ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں مادی تقاضوں کو بہت اہمیت دے دی گئی ہے اور علم و ہنر روزگار حاصل کرنے تک محدود ہو گیا ہے۔ بس اتنا علم حاصل کیا جاتا ہے جو روزگار کے حصول میں آسانی پیدا کرے۔ مادیت کی چھاپ گہری ہونے سے ہنر محض پیسا کمانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔

اچھا استاد علم دینے کے ساتھ طالب علم کی تربیت کرتا ہے۔ اختراعات و ایجادات اس وقت ممکن ہیں جب استاد ہنر کی روح سے واقف ہو، اور اندازوں سے نکل کر ہنر کو تکنیکی بنیادوں پر استوار کرے یعنی آنے والی نسل کے لئے پیمانے مقرر کر دے۔

عمومی رویہ ہے کہ رنگ ساز جب کپڑا رنگتا ہے تو وہ تجربے کی بنیاد پر اندازوں سے مختلف رنگوں کی کمی بیشی اور ان کے امتزاج سے مطلوبہ رنگ حاصل کرتا ہے اور ان اندازوں کو اپنے شاگرد میں منتقل کرتا ہے۔ اگر استاد ایک چٹکی رنگ کڑاہی میں ڈالتا ہے تو اس کی چٹکی شاگرد کی چٹکی سے بڑی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی پینٹر رنگوں کو ملا کر رنگ بناتا ہے تو کبھی رنگ ہلکا اور کبھی گہرا ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عمومی رویہ اندازوں سے کام لینے کا ہے جب کہ باقاعدہ تعلیم رنگوں کی نئی نئی قسمیں اور ان کے پیمانوں سے متعارف کرواتی ہے۔ کمپیوٹر اور فیشن ڈیزائننگ، فیبرکس ڈیزائننگ یا پرنٹنگ وغیرہ اب اندازوں سے آگے پیمانوں پر رنگوں سے کام لے رہی ہے جو پروفیشنلزم کی طرف بہترین قدم ہے۔

ہر نوجوان اس شعبے میں جانا چاہتا ہے جس میں آمدنی زیادہ ہو۔ علم و فن کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس شعبے کو تکنیکی بنیادوں پر استوار کیا جائے گا، اس میں وسعت پیدا ہو گی اور صارفین کی کشش بڑھ جائے گی۔

معاشرے کا فطری نظام تمام شعبوں کا ایک حسین امتزاج ہے جس میں موچی سے لے کر انجینئر تک اور ڈاکٹر سے لے کر درزی تک سب کی ضرورت ہے۔

ہمیں تعلیمی نظام میں اصلاحات اور جدید ضروریات سے لیس تکنیکی اداروں کی ضرورت ہے۔ ہمارا نوجوان میٹرک، ایف اے اور بی اے کی ڈگری حاصل کر کے معاشرتی سیٹ اپ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنی تعلیم سے استفادہ کرنے کے لئے ہنر کی ضرورت ہے لہٰذا ہر چھوٹے سے چھوٹے شعبے کو نظام تعلیم کا حصہ بنایا جائے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب فنی تعلیم کو ڈگری کا درجہ ملے تا کہ ایک موچی اور لوہار دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق جدید ٹیکنالوجی سے استفادہ کر سکتا ہو۔ اس سے ایجادات کے ساتھ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔

خواجہ باقی باللہؒ

توکل یہ نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھے رہیں۔ یہ تو اسباب کی بے ادبی ہے اور اسباب اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ سبب کی مثال دروازے کی ہے جو اللہ پاک نے مسبب تک پہنچنے کے لئے بنایا ہے۔

قدرت نیک بندوں کو دنیا میں ظاہر کرنے کے لئے جس گھر کا انتخاب کرتی ہے، بچے کی آمد سے پہلے خواب یا دیگر واقعات کے پردے میں مطلع کر دیتی ہے۔

رضی الدین 1564ء (971 ہجری) کو کابل میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ کو بیٹے کے گرد نورانی ہالہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ جان گئے کہ بچہ بہت خاص ہے۔

وہ دعا کرتے تھے کہ

"اے ہمارے رب! ہم اس بچے کے لئے جو محسوس کرتے اور دیکھتے ہیں، اسے ویسا بنا دے۔"

قارئین! ماں باپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اولاد کو چاہئے کہ وہ ماں باپ کی دل آزاری کا سبب نہ بنیں اور احترام کریں۔

رضی الدین نے اپنے زمانے کے قابل اساتذہ سے پڑھا۔ ان میں ایک مولانا صادق حلوائی تھے جنہیں اندازہ ہو گیا کہ رضی الدین کو اللہ نے روحانی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ اسے مزید تعلیم کے لئے اپنے ہمراہ ماوراء النہر لے گئے جہاں کئی سال قیام کیا۔

رضی الدین کابل واپس آئے تو دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ طبیعت میں عجیب بے چینی پیدا ہوئی جیسے کسی کی تلاش ہو۔ دل و دماغ سلوک کی طرف راغب ہو گیا۔

والدہ دعا گو رہتی تھیں کہ

"اے میرے رب! رضی الدین کے حال پر رحم فرما۔ وہ جس چیز کا طلب گار اور متلاشی ہے اسے نواز دے۔"

رضی الدین نے طے کر لیا تھا کہ جب تک منزل نہیں آئے گی، سفر جاری رہے گا۔

ایک بار کسی نے رضی الدین سے پوچھا، آپ ہر وقت سفر میں رہتے ہیں، پاؤں میں چھالے بھی نہیں۔ کیا آپ تھکتے نہیں ہیں؟

رضی الدین نے کہا، کیوں نہیں، جسم تھک جاتا ہے اور پاؤں میں چھالے بھی پڑتے ہیں۔

پوچھا، پھر کہیں قیام کیوں نہیں کرتے؟

روح بہت بے چین ہے۔

کب تک سفر میں رہیں گے؟

جب تک منزل حاصل نہیں ہو جاتی۔

اور منزل کب حاصل ہوگی؟

جب میں فنا ہو جاؤں گا۔

کس منزل کی تلاش ہے؟

ایسے بندے کی تلاش میں ہوں جو مجھے قرب الٰہی کی لذت سے آشنا کر دے۔

اتنے عرصے میں کام یابی نہیں ہوئی پھر کیوں کر یقین ہے کہ اب استاد مل جائے گا؟

آخری دم تک کوشش کروں گا۔

وہ ہنس دیا اور مشورہ دیا کہ بہتر ہے ارادہ ترک کریں اور گھر چلے جائیں۔ رضی الدین نے دل شکن باتوں کو اہمیت نہیں دی اور آگے بڑھ گئے۔

روایت ہے کہ ایک روز برفانی علاقے کی طرف نکل گئے۔ سردی سے بے نیاز ایک درویش ملے۔ رضی الدین کو عجیب کشش محسوس ہوئی لیکن درویش انہیں دیکھ کر کہیں اور چل دیئے۔ وہ پیچھے گئے۔

درویش نے سختی سے پوچھا، پیچھا کیوں کر رہے ہو؟

قرب کا طلب گار ہوں۔

میں کیا کر سکتا ہوں؟

ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں۔

ہرگز نہیں — اپنی راہ لو!

دوبارہ درخواست کی۔ درویش نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی کو نیم رضامندی سمجھ کر ساتھ ہو لئے۔ کئی روز سے ساتھ تھے۔ ایک موقع پر درویش نے اچانک بھاگنا شروع کیا۔ رضی الدین نے تقلید کی مگر پیر برف پر پھسل گیا۔ انہوں نے قہقہہ لگایا اور کہا، تمہارے قدم تو ابھی سے ڈگمگا گئے۔

رضی الدین اسے اشارہ سمجھ کر دوبارہ کھڑے ہوئے اور سفر جاری رکھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر دونوں رک گئے۔

درویش نے پوچھا، مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

عشقِ حقیقی میں مبتلا ہوں۔ وہ راستہ دکھا دیں جس پر چل کر قرب سے واقف ہو جاؤں۔

درویش ہنس دیئے اور کہا، کیسا قرب؟ میں کسی قرب سے واقف نہیں۔

رضی الدین پریشان ہوئے مگر فوراً اس خیال نے مطمئن کر دیا کہ یہ صاحب خود کو مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔

خیال درویش سے بیان کیا تو وہ جلال میں آ گئے اور مارنے کے لئے دوڑے۔ راستے میں مکان آیا۔ وہ مکان میں داخل ہو گئے۔ رضی الدین نے انہیں مکان میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا لیکن وہ نہیں نکلے۔

دروازے پر دستک دی۔ نوجوان باہر آیا۔

درویش کے متعلق پوچھا، اس نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ یہاں کوئی نہیں آیا، غلط فہمی ہوئی ہے۔

رضی الدین دھن کے پکے تھے۔ بیٹھے رہے۔

کافی دیر گزر گئی۔ درویش مکان سے باہر آئے اور منتظر پا کر مسکرا دیئے۔

عرض کیا، بابا! میرے حال پر رحم کریں اور ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں۔

درویش کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی۔ انہوں نے رضی الدین کو مارا۔ وہ خاموشی سے مار کھاتے رہے لیکن ارادے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اس کے بعد سفر کرتے ہوئے درویش ایک مکان میں داخل ہوئے اور چٹائی پر بیٹھتے ہوئے رضی الدین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ان پر خوف طاری تھا کہ کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔

اس بار درویش نے اپنائیت سے کہا، بیٹا ڈرو مت! تمہارا امتحان ختم! اب تم انعام کے حق دار ہو۔ کمرے میں صندوق سے مٹھائی نکالی اور کھانے کے لئے دی۔ پھر جو وقت گزرا وہ ریاضت اور مجاہدے میں گزرا۔

درویش نے فرمایا، نام کیا ہے—؟

رضی الدین۔

فرمایا، جو فیض تمہیں ملا ہے، تمہاری والدہ کی دعاؤں کے سبب ہے۔ آج سے تمہارا نام "باقی باللہ" ہے۔

وقت گزرا اور درویش کے ذمے حضرت باقی باللہؒ کی تربیت پوری ہوئی۔ انہوں نے فرمایا، کابل جاؤ اور والدہ کی خدمت کرو، یاد کر کے بہت روتی ہیں۔ ان کی دعا لے کر خواجہ محمد امکنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہو، ان سے بیعت ہونا اور میرا سلام پیش کرنا۔ مزید تربیت اور منازل ان کے ذریعے طے ہوں گی۔

خواجہ باقی باللہؒ اپنے راہ نما سے دور نہیں جانا چاہتے تھے مگر حکم ٹالنے کی گستاخی نہ کر سکے۔

والدہ کے پاس کچھ وقت گزارا، ان سے دعا لے کر خواجہ محمد امکنگیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست کی۔ خواجہ محمد امکنگیؒ نے فرمایا،

"تم ہماری مریدی میں اس روز سے ہو جس روز اس دنیا میں پیدا ہوئے۔ جہاں تک درویش کے ساتھ گزرے وقت کا تعلق ہے وہ تربیت کا حصہ تھا۔"

خواجہ امکنگیؒ نے بیعت کر کے باطنی علوم کی تعلیم دی، خلافت سے نوازا۔

مریدوں کو معلوم ہوا کہ اتنی جلدی خلافت دے دی گئی ہے تو حسد پیدا ہوا۔ خواجہ امکنگیؒ نے فرمایا،

"اے دوستو! تم نہیں جانتے، یہ جوان کام پورا کر کے ہمارے پاس بھیجا گیا ہے۔ اس نے ہمارے پاس صرف اپنے حالات کی تصحیح کی ہے۔ پس جو شخص ایسا تیار ہو کر آئے گا وہ اسی طرح جلدی رخصت کیا جائے گا۔"

خواجہ باقی باللہؒ کو ہندوستان جانے کا حکم دیا گیا۔ والدہ کے پاس تشریف لے گئے کہ دعاؤں کے سائے میں رخصت ہوں۔ انہوں نے کہا— رضی الدین! اتنے عرصے بعد آئے ہو اور دور جانے کی بات کرتے ہو۔ اب جدائی برداشت نہیں ہوتی۔

مشکل میں آ گئے کہ والدہ کے فرماں بردار تھے اور پیرومرشد کی نافرمانی منظور نہ تھی۔ پیرومرشد سے والدہ کی کیفیت بیان کی اور عرض کیا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں۔

فرمایا، ہندوستان جانے کا حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ والدہ کو قائل کرنا تمہارا کام ہے۔

خواجہ باقی باللہؒ نے والدہ سے عرض کیا، اماں! زندگی اللہ کی امانت ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ میں ہندوستان جاؤں۔ بخوشی دعاؤں میں رخصت کریں۔

والدہ نے سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا، بیٹا! ہمیشہ دعا کی ہے کہ رب کی رضا اور خوشی تجھ پر محیط رہے۔ جا! اللہ تیرا حامی و ناصر ہے۔

ہندوستان پہنچ کر سلسلہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی۔ لوگ خدمت خلق اور محبت و شفقت سے متاثر ہو کر دائرۂ عقیدت میں داخل ہوتے گئے۔ آپ فرماتے ہیں،

''اللہ کی مخلوق سے محبت اور ان کی خدمت اولیاء اللہ کا نظام ہے۔ یہی وہ طاقت ہے جس کی بدولت اللہ کے دوست لوگوں میں محبوب ہو جاتے ہیں۔''

اللہ کے دوستوں کے پاس لوگ اطمینانِ قلب کے لئے آتے ہیں اور ان کے حکم پر عمل کر کے سکون کی تصویر بن جاتے ہیں۔ خواجہ باقی باللہؒ عقیدت مندوں سے فرماتے تھے،

''دل کا اطمینان، یکسوئی اور حضورِ قلب سے ہمکنار ہونا چاہتے ہو تو زندگی سادگی سے گزارو، حلال رزق کھاؤ اور بے ہودہ باتوں سے بچو۔''

کسی شاگرد کے خط کے جواب میں مکتوب بھیجا،

''آپ باوضو رہیں، گناہوں سے پرہیز کریں، نکتہ چینی نہ کریں، کسی کو حقارت سے نہ دیکھیں، بغض و کینہ نہ رکھیں، اپنے سے عاجز اور کم زور سے نرمی برتیں۔ نماز تہجد پڑھ کر کلمہ طیبہ کا آہستہ آواز میں ذکر کریں، ذکر کے وقت حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر خیال کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہے۔''

مشہور ہے کہ ایک مرتبہ مہمانوں کی میزبانی کے لئے گھر پر کچھ موجود نہیں تھا۔ حضرت باقی باللہؒ نے دعا کی،

''اے میرے رب! غیب سے وسائل پیدا کر کہ مہمان تواضع کے بغیر رخصت نہ ہوں۔''

دعا کرنے کے بعد نان بائی کا خیال آیا۔ نان بائی عقیدت مندوں میں سے تھا۔ خواجہ باقی باللہؒ نے ملازم سے فرمایا، اس سے کہو کہ مہمان تشریف لائے ہیں، کھانا بھجوا دے، حسب منشا معاوضہ ملے گا۔

کھانے کے بعد نان بائی سے فرمایا، کھانا لذیذ تھا۔ مہمانوں نے شوق سے کھایا۔ بتاؤ کیا خواہش ہے؟

نان بائی نے عرض کیا، آپ جیسا بننا چاہتا ہوں۔

فرمایا، کچھ اور مانگو۔ یہ خواہش تمہاری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔ برتن میں جتنی چیز آتی ہے اس سے

زیادہ بھر دیا جائے تو وہ چیز برتن سے گر جاتی ہے یا برتن ٹوٹ جاتا ہے۔

نان بائی بضد رہا تو خواجہ باقی باللہؒ اسے حجرے میں لے گئے — باہر آئے تو دونوں ہو بہو ایک تھے۔

فرق یہ تھا کہ خواجہ باقی باللہؒ ہوش و حواس میں تھے اور نان بائی نیم مدہوش تھا۔ حالت سے لوگوں نے اندازہ لگایا کہ ان میں نان بائی کون ہے۔

نان بائی تین دن بے ہوش رہا اور مر گیا۔

اس نے سکت کے بغیر علم کی خواہش کی تھی۔

مرشد پہلے سکت پیدا کرتا ہے، پھر علم منتقل کرتا ہے۔

مرشد افتادِ طبع کے مطابق مرید کی تربیت کرتا ہے۔ تربیت کا منشا مرید کی سکت بڑھانا ہے۔ وہ نشیب و فراز سے گزارتا ہے تاکہ مرید کا ذہن ہر طرح کے حالات میں اللہ کی طرف مرکوز رہے۔ خانوادہ سلسلہ عظیمیہ، خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں،

"روحانی زندگی مسلسل امتحان ہے، ایسا امتحان جس کا نتیجہ بھی سامنے نہیں آتا اور یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم امتحان گاہ میں ہیں — اندھا کھاتہ ہے۔ اس کھاتے کی مراد کے سوا کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔"

سلوک — استقامت اور صبر کے ساتھ طے ہوتا ہے۔ سکت مذکورہ عادات سے بڑھتی ہے۔

حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں،

"جس شخص کو اس راہ کا شوق ہو اسے چاہئے کہ سچی توبہ کے بعد حتی المقدور زہد و توکل، قناعت و عزلت اور صبر و توجہ کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ اسی کو سفر در وطن کہتے ہیں۔"

کسی نے پوچھا کہ توکل کیا ہے؟ کیا ظاہری اسباب کو چھوڑنا توکل ہے؟ آپ نے فرمایا،

"توکل یہ نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیں اور بیٹھے رہیں۔ یہ تو اسباب کی بے ادبی ہے اور اسباب اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ سبب کی مثال دروازے کی ہے جو اللہ پاک نے مسبب تک پہنچنے کے لئے بنایا ہے۔ کوئی شخص دروازہ بند کر لے کہ اللہ اوپر سے وسائل دے گا تو یہ بے ادبی ہے کیوں کہ دروازہ اللہ کا بنایا ہوا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ کھلا ہے۔ کھلے ہوئے کو بند نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اسے اختیار ہے کہ چاہے دروازے سے بھیجے یا کسی اور ذریعے سے دے، تمہارے لئے جو طریقِ کار مقرر ہے، تم اس کی تعمیل کرو۔"

اندر کی دنیا کا مسافر جب تک "اندر میں" نہیں دیکھتا سفر شروع نہیں ہوتا۔ اندر دیکھنے کے لئے ذہن تیار کرنا سفر کی تیاری ہے جس میں کئی سال لگ جاتے ہیں۔ سفر تیاری کے بعد شروع ہوتا ہے۔ باطن میں دیکھنے کی ایک مشق مراقبہ ہے۔ حضرت باقی باللہؒ فرماتے ہیں،

"مراقبہ کی حقیقت انتظار کرنا ہے، اور انتظار میں شدت مقصود کی طلب میں ہے۔ ایسی حالت میں کہ طالب اپنی قوت و طاقت سے نکل جائے اور اللہ کے

دیدار کا مشتاق اس کے عشق کے سمندر میں مستغرق ہو جائے۔ دید کی قوت و طاقت سکت سے پیدا ہوتی ہے اور آستانۂ انتظار کشش ہے۔ اس قسم کا مراقبہ ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔"

حضرت باقی باللہؒ مرشد و مرید کے تعلق کے بارے میں فرماتے ہیں،

"جب مرید کو شیخ سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ شیخ کی موجودگی اور عدم موجودگی، دونوں میں شیخ کو حاضر جانتا ہے اور بے قرار رہتا ہے۔ یہ دوئی سے نکلنے کی بے قراری ہے۔ مرید کو چاہئے کہ ربط میں رہے۔ اس طریقے کا دارومدار ارتباطِ جانبین (دونوں جانب سے ربط) پر ہے۔"

محبت میں استقامت کی منزل استغنا ہے۔ ایک محفل میں ذات و صفات سے محبت کا ذکر آیا تو حضرت باقی باللہؒ نے فرمایا،

"صفات سے محبت یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے اس لئے محبت رکھتا ہے کہ وہ عالم ہے یا شجاع ہے۔ اس کی محبت صفتِ علم و شجاعت پر موقوف ہوگی۔ یہ اوصاف اس سے دور ہو جائیں تو اس کی محبت بھی جاتی رہے گی۔ ذات سے محبت یہ ہے کہ کسی شخص کو بغیر لحاظِ صفت کے دوست رکھے۔ یہ نہیں کہ جب وہ کسی صفت کے ساتھ متصف ہو تو اس وقت محبت میں زیادتی ہو اور جب کسی صفت کے ساتھ متصف نہ ہو تو جذبات میں کمی آجائے۔ یہ محبت نہیں ہے۔"

وہ پاس ہے تیرے دور نہیں

وہ پاس ہے تیرے دور نہیں تو واصل ہے مہجورؔ نہیں
کیوں جبل مرکب میں ہے پھنسا مختار ہے تو مجبور نہیں

سرگرم شوق و حضور نہیں دل سرد ہے تو محرورؔ نہیں
جس قلب میں عشق کا نور نہیں وہ تاب جلوۂ طور نہیں

ہر رنگ میں ہے وہ جلوہ نما تو ایک حجاب میں جا کے چھپا
کیوں کور سوادؔ ہوا ہے بتا کیا آنکھوں میں ترے نور نہیں

جو باطن میں مشغول ہوئے محبوب ہوئے مقبول ہوئے
مجہولؔ ہوئے معروف کہاں مشہور جو ہیں منظور نہیں

کیوں محوِ سرِ پندارؔ ہوا اے مشت خاک ہے نقش فنا
دنیا میں کہاں ہے رنگ بقا جمشید نہیں مغفور نہیں

مستور جو تھا منظور ہوا وہ جلوۂ رنگ ظہور ہوا
جو حجاب تھا رخ سے دور ہوا مشتاق لقاؔ مہجور نہیں

جو آپ ہوا بے نام و نشاں اس کو ہے ملا وہ جان جہاں
معراج وصال ہے اس کو کہاں جو عشق میں چکنا چور نہیں

میں تیرا فدائے سراپا ہوں میں طالب وصل معرا ہوں
مشتاق و شیدا تیرا ہوں میں طالبِ حور و قصور نہیں

مخمورِ جامِ باقیؔ ہے شیدائے نوائے عراقی ہے
سرشارِ محبت ساقیؔ ہے سرمست ہے یہ مستورؔ نہیں

(کلام: پنڈت جواہر ناتھ ساقیؔ)

مہجور (جدا)، محرور (حرارت والا)، سواد (ذائقہ)
مجہول (نامعلوم)، محوِ سرِ پندار (تکبر میں مبتلا)،
لقا (دیدار)، مستور (مخفی)

عثمان طاہر

خانہ جنگی

مختلف لوگوں کے ذہن جب ملتے ہیں تو نئے تصورات اور نئے خیالات سامنے آتے ہیں کیوں کہ کوئی زندگی کو سطحی نظر سے دیکھتا ہے اور کوئی گہری نظر سے۔ لہٰذا ایک دوسرے کی بات سننی چاہئے۔

متضاد رخ پر دو افراد بیٹھے ہیں، درمیان میں میز ہے۔ میز پر کتاب رکھی ہے اور کتاب میں 6 لکھا ہے۔ میز کے ایک طرف بیٹھا شخص کہتا ہے کہ یہ 9 ہے اور دوسرا شخص بضد ہے کہ نہیں یہ تو 6 ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ انہوں نے کتاب میں ہندسے کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کیا بلکہ اپنی سمتوں کو اولیت دے کر رائے قائم کی ہے۔ ایک شخص سمت 6 کی اور دوسرا سمت 9 کی نفی کر رہا ہے۔ ان ہندسوں کے مطلق رخ پر کسی نے غور نہیں کیا جہاں سے یہ دونوں ہندسے وجود میں آئے ہیں۔

بات کے تین رخ یا زاویے ہوتے ہیں۔

۱۔ جسے آپ ٹھیک سمجھتے ہیں۔

۲۔ آپ کا مقابل درست سمجھتا ہے۔

۳۔ جو اصل ہوتا ہے۔

اس دنیا میں جتنے لوگ بستے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کی صحیح اور غلط کی تعریف الگ ہے۔ جب تعریف میں اختلاف ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ طرز فکر میں نقص ہے۔ صحیح طرز فکر اپنے مفاد سے مبرا ہو کر دنیا کو دیکھنا ہے۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ سمت کا مفاد سے کیا تعلق ہے۔ جواب یہ ہے کہ سمت سے ہی مفاد پیدا ہوتا ہے۔

''ماہنامہ قلندر شعور'' دسمبر 2019ء کے شمارے میں ''دو فریق'' کے عنوان سے واقعہ پڑھا۔ کیسی بہترین بات لکھ دی گئی ہے۔ بعض واقعات ہمیں اپنے باطن میں دیکھنے پر مجبور کر کے خود کو دیکھنے کا زاویہ بدل دیتے ہیں۔ دراصل اختلاف کا احترام بھی ایک فن ہے جو تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔

''دو فریق — کسان کے بیٹوں میں اختلاف ہو گیا۔ باپ نے بہت کوشش کی کہ بیٹے اتفاق و اتحاد سے رہیں لیکن بیٹوں کی ایک دوسرے کے خلاف شکایتوں کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ گھر میں ناچاقی کی وجہ سے رزق میں برکت ختم ہو گئی اور اس سال فصل کو بھی نقصان پہنچا۔ اب بیٹے آپس کی لڑائی بھول کر فصل کی تباہ حالی پر پریشان ہوئے اور سر جوڑ کر بیٹھے۔

باپ نے ایک ساتھ بیٹھے دیکھا تو کہا، جس گھر میں شکوے شکایات ہوتی ہیں وہاں مکے میں پانی سوکھ جاتا ہے۔ تم خود کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتے ہو۔ بتاؤ جب جماعت میں دو فریق پیدا ہو جائیں تو ان میں کس کو صحیح کہا جائے؟ ایک دوسرے کے لئے دل بڑا کرو اور درگزر کرنا سیکھو۔ شکوے شکایات کرنے والے بے سکون اور بے امان ہوتے ہیں۔ نفرت — نفرت سے نہیں، محبت سے ختم ہوتی ہے۔"

ایک سے دو میں تقسیم ہو کر دونوں نے تفرقے کی ابتدا کر دی۔ دونوں بھائی مالی نقصان کے بعد سر جوڑ کر بیٹھے ورنہ ممکن ہے کہ اختلاف کی روش قائم رہتی۔ سوال یہ ہے کہ جب جماعت میں دو فریق پیدا ہو جائیں تو ان میں کس کو صحیح کہا جائے —؟

اب تک ہم یہی سمجھتے تھے کہ ایک فریق صحیح اور دوسرا غلط ہوتا ہے۔ لیکن باپ نے بھائیوں کے رشتے میں دراڑ کی نشان دہی کر کے مطلق سوچ کا اظہار کیا اور دوسرے الفاظ میں کہا کہ جو بندہ یا شے دو میں تقسیم ہو جاتی ہے وہ دونوں غلط یا دونوں الوژن ہیں۔ ان میں صحیح وہ ہے جو اختلاف کو ہوا دینے کے بجائے اپنی بنیاد "دین فطرت" سے منسلک رہے۔ فطرت میں ہم آہنگی ہے، نافرمانی نہیں ہے۔

زندگی مختصر ہے جس میں ہم اپنے اور دوسروں کے تجربات سے سیکھتے ہیں۔ رسالے میں "دو فریق" کے عنوان سے دیئے گئے واقعے نے بہت متاثر کیا اور میں نے ارادہ کیا کہ اس پر ضرور کچھ لکھنا چاہئے تا کہ جن لوگوں نے توجہ نہیں دی، وہ متوجہ ہوں۔

یہ واقعہ دوستوں کو سنایا اور رائے لی۔ سب سن کر خاموش ہو گئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ باپ نے جس خامی کی نشان دہی کی ہے، اس میں گہرائی بہت ہے۔ ممکن ہے اسے پڑھ کر میری طرح انہیں بھی بہت سی جگہوں پر اپنا آپ سوالیہ نشان نظر آیا ہو۔

ہم اپنے آپ کو صحیح سمجھتے ہیں۔ مان لیا کہ ہم صحیح ہیں مگر اختلاف کو نمایاں کر کے ہم صحیح ہو کر خود کو غلط ثابت کر دیتے ہیں۔

اختلاف رائے بری بات نہیں ہے، معاشرے کا حصہ ہے۔ مختلف لوگوں کے ذہن جب ملتے ہیں تو نئے تصورات اور نئے خیالات سامنے آتے ہیں کیوں کہ کوئی زندگی کو سطحی نظر سے دیکھتا ہے اور کوئی گہری نظر سے۔ لہٰذا ایک دوسرے کی بات سننی چاہئے۔ لیکن اختلاف کو بنیاد بنا کر تعلقات کو متاثر کرنے میں سب کا نقصان ہے۔

ایک درویش سے کسی نے پوچھا، آپ کئی سالوں سے لوگوں کو زندگی کی تعلیم دے رہے ہیں، دور دراز سے لوگ علم حاصل کرنے آتے ہیں۔ جب یہ مکتب میں داخل ہوتے ہیں تو ان کا مشترکہ مسئلہ کیا ہوتا ہے —؟

درویش نے کہا، ذہن، نظریات اور چیزوں کو دیکھنے

کا زاویہ ــــ اپنے بارے میں، لوگوں کے بارے میں اور زندگی کے بارے میں! یہ لوگ بھرے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ علم حاصل کرنے آتے ہیں جس کے لئے خالی ذہن چاہئے۔ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا معاشرے میں نمایاں مقام ہے۔وہ مالی طور پر مستحکم ہیں یا اپنی کمیونٹی میں بڑے ہیں، کالج اور یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے ہیں یا تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ان کے ذہن معلومات سے بھرے ہوئے ہیں۔یہ دوسروں کی بات سنتے ہیں مگر تنقیدی نظر سے یا پھر ان کو سننے کے بجائے اپنی بات کہنے کے منتظر رہتے ہیں۔کپ میں پانی آلودہ ہے، پانی پھینک دیں، کپ کارآمد ہو جائے گا۔خود کو دولت مند، ہوشیار، علم میں برتر اور دوسروں سے نمایاں سمجھنا، صرف اپنے آپ کو دیکھنا ہے۔جس علم کے لئے وہ یہاں آیا ہے اس کے لئے ''میں'' سے خالی ہونا ضروری ہے۔ہم اسے ''میں'' سے خالی کرتے ہیں۔

سلطان العارفین حضرت باہوؒ فرماتے ہیں،

نہ میں سیر نہ پاء چھٹا کی نہ پوری سرساہی ہُو
نہ میں تولہ نہ میں ماشہ گل رتیاں تے آئی ہُو
رتی ہوواں ونج رتیاں تلاں اوہ بھی پوری ناہی ہُو
تول پورا ونج ہوسی باہو جداں فضل الٰہی ہُو

ترجمہ: نہ میں ایک سیر ہوں، نہ پاؤ نہ چھٹانک بھر، نہ پوری سرساہی ہوں۔نہ میں تولہ ہوں نہ میں ماشہ، اب تو بات رتی پر آچکی ہے۔اگر رتی بھر ہوں گا تو پھر موتیوں کے ساتھ تلوں گا لیکن میں تو پوری رتی بھی نہیں۔ اے باہو! وزن تول! تو میزان میں تب پورا ہوگا جب اس میں اللہ کا فضل شامل ہوگا۔

اللہ سے ربط کے بغیر حقیقی نظر حاصل نہیں ہوتی کیوں کہ اللہ سمتوں سے بے نیاز ہے۔ایک بار بے نیازی کا وصف دل میں اتر جائے تو بندہ ''میں'' اور ''تو'' ہر رخ سے بے نیاز ہو کر اللہ کا نیاز مند ہو جاتا ہے۔

رحمٰن ورحیم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''جو لوگ راسخ فی العلم ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔'' (آل عمران: ۷)

آیت میں ذہن کے الوژن زاویوں کی یہ کہہ کر نفی کی گئی ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو مرکزیت بنا کر خود کو اور دنیا کو دیکھو۔اس کے متضاد جب ہم اپنے آپ کو مرکزیت بنا کر حالات کو دیکھتے ہیں تو بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

راسخ فی العلم ذہن ایک نقطے پر مرکوز ہوتا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے۔

اتفاق نہ ہونے کے سبب آج دنیا تباہی کے دہانے پر ہے۔خون ریزی اور زمینی وآسمانی آفات کی خبریں سن کر دل دہل جاتا ہے۔اختلاف ہر سطح پر موجود ہوتا ہے جو پھل پھول کر قوم کا ذہن بن جاتا ہے۔

دو سال پہلے کی بات ہے چھوٹے بیٹے نے خبرنامے

میں نقل مکانی کا ایک منظر دیکھا۔ طول و عرض میں سمندر ہے اور لہروں کے بیچ میں بچے جوان بوڑھے بڑی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہیں۔ کشتی میں تل دھرنے کو جگہ نہیں۔

بیٹے نے پوچھا، ابو! یہ کہاں جا رہے ہیں—؟

میں نے کہا، دوسرے ملک جا رہے ہیں۔

کیا گھومنے پھرنے جا رہے ہیں؟

نہیں! پناہ حاصل کرنے۔

وہ کیوں—؟ آپ نے کہا تھا کہ اپنا ملک اپنا گھر ہوتا ہے پھر یہ اپنے ملک میں کیوں نہیں رہتے؟

ان کے ملک میں خانہ جنگی ہے۔

خانہ جنگی کیا ہوتی ہے؟

بیٹا! جب ایک جگہ رہنے والوں میں آپس میں لڑائی ہو جائے تو اسے خانہ جنگی کہتے ہیں۔

وہ بولا، جیسے ہمارے گھر میں خانہ جنگی ہوتی ہے—؟

میں نے ٹی وی سے نظر ہٹاتے ہوئے فوراً بیٹے کو دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کی توجہ دوسری طرف مبذول کر دی۔ اس نے مجھے اور اپنی اماں کو اکثر لڑتے دیکھا ہے اور اس بنا پر خانہ جنگی کے بارے میں سنتے ہی اس لفظ کو اپنے گھر سے جوڑ دیا۔ بیگم موجود تھیں، بیٹے کی بات نے انہیں پریشان کر دیا۔

ہم نے فیصلہ کیا کہ ایک دوسرے کے لئے برداشت پیدا کریں کیوں کہ جب کسی ملک میں خانہ جنگی ہوتی ہے تو اس کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ بچہ ماں باپ کو لڑتے دیکھتا ہے تو اس کے دماغ میں توڑ پھوڑ پیدا ہوتی ہے۔ ماں باپ کا اشتعال اس کے اندر منتقل ہوتا ہے اور وہ مستقبل میں آسانی سے تخریب کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ آج معاشرے میں جتنی خرابیاں ہیں، اس کی شروعات گھر سے ہوئی ہے۔ ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے کہ تعلیم اور تربیت میں فرق ہے۔ اچھی تعلیم کے ساتھ اگر تربیت نہ ہو تو ایسا فرد اقدار کا احترام نہیں کرتا۔ اس کے اندر ہیجان ہوتا ہے جس کا اظہار وہ ناانصافی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کے ذریعے کرتا ہے۔

اگر ہم روزانہ کی بنیاد پر اپنے رویوں کا جائزہ لیں تو اپنی اپنی سطح پر بہت سے مسائل بآسانی حل کر سکتے ہیں۔

الحمدللہ! اب ہمارے گھر کا ماحول پُرسکون ہے۔

نورِ حکمت

پیران پیر دستگیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں، علمائے باطن کی مثال مغز یا گودے کی ہے جو سرخ پختہ چھلکے کے اندر ہے۔ انہیں نورِ فراست حاصل ہے۔ ان کی قربت اختیار کرو اور باتوں پر غور کرو کہ یہ حکمت کے موتی ہیں۔ جس طرح بارش سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے اسی طرح نورِ حکمت سے دل کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ دانا گم شدہ چیز کے متلاشی کی طرح کلمۂ حکمت کی تلاش میں پھرتا ہے اور جہاں اس کو پاتا ہے، لے لیتا ہے۔

چار عنوانات

جب ہم کوئی کتاب، کورس کا کوئی مضمون سطحی طور پر پڑھتے ہیں، اس میں سبق کا رٹنا بھی شامل ہے تو شعور کی سطح سے وہ آگے نہیں بڑھتا۔ لیکن اگر ہم یہی سبق اور یہی مضمون غور و فکر اور سمجھ بوجھ کے ساتھ پڑھتے ہیں تو وہ لاشعور کی حدود میں چلا جاتا ہے اور اس کا مفہوم یاد رہتا ہے۔ اللہ نے آدم کو زمین میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ آدم کو نیابت اس وقت منتقل ہوئی جب اللہ نے آدم کو ''علم الاسما'' سکھایا۔ اللہ کی طرف سے ان انتظامی امور کو سمجھنا اور اللہ کے دیئے ہوئے ''علم الاسما'' کی روشنی میں ان انتظامی امور کو چلانا، نیابت کے دائرے میں آتا ہے۔ انسان کو بحیثیت خلیفۃ اللہ ''علم الاسما'' کی حکمت، تکوین کے اسرار و رموز اس لئے سکھائے گئے کہ وہ نئی نئی تخلیقات وجود میں لاتا رہے۔

اللہ نے ہر چیز کی تخلیق کے فارمولے بنائے ہیں اور ہر فارمولا معین مقداروں کے تحت کام کر رہا ہے، اللہ کی کتاب میں ہے، ''ہم نے ہر چیز کو معین مقداروں سے تخلیق کیا ہے۔''

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اصل انسان روح ہے۔ ظاہر ہے روح اضطراب، کشاکش، احساس محرومی اور بیماریوں سے ماورا ہے۔ روح اپنے اور جسم کے درمیان ایک میڈیم بناتی ہے۔ اس میڈیم کو ہم جسمِ انسانی اور روح کے درمیان نظر نہ آنے والا جسم کہہ سکتے ہیں۔ یہ غیر مرئی انسان بھی بااختیار ہے۔ اس کو یہ اختیار ہے کہ روح کی فراہم کردہ اطلاعات کو اپنی مرضی سے معنی پہنا دے۔ جس طرح معین فارمولے کام کرتے ہیں۔ اسی طرح روح اور جسم کے درمیان نظر نہ آنے والا جسم بھی فارمولوں کے تحت متحرک اور باعمل ہے۔ اس میں اربوں، کھربوں فارمولے کام کرتے ہیں جن کو ہم چار عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ Water Energy ۲۔ Electric Energy

۳۔ Heat Energy ۴۔ Wind Energy

روحانیت کا طالب علم اس علم پر جتنی دسترس حاصل کر لیتا ہے اتنا ہی اسے سکون مل جاتا ہے۔ خوف و غم کی جگہ اطمینان قلب، محرومی کی جگہ کامرانیاں، اور شعور کی محدود درجہ بندی سے نکل کر ماورائی دنیا کے شب و روز اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ (کتاب: نظریۂ رنگ و نور)

نوید یار خان
(سربیا)

سوچ کا سفر

میں سربیا میں رہتا ہوں۔ یہاں آپ گھر سے نکلیں اور جرمنی کی سمت میں سفر کریں تو راستے میں کیا دیکھیں گے؟ ظاہر ہے کہ سربیا اور جرمنی کے راستے میں آنے والے دریا، پہاڑ، شہر، دیہات اور ان شہروں اور دیہاتوں میں مناظر آپ کا مشاہدہ بنیں گے۔ طویل سفر کی مشقت کے بعد اگر آپ کی سمت ٹھیک ہے تو بالآخر جرمنی پہنچ جائیں گے اور وہاں کی دنیا کا مشاہدہ کریں گے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آدمی جس راہ میں سفر کرتا ہے، اسی کے مطابق مناظر دیکھتا ہے اور جس منزل پر پہنچنا چاہتا ہے، چلتے چلتے پہنچ جاتا ہے۔

بات آگے بڑھانے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دو لفظ یاد کرلیں۔ ایک خالق اور دوسرا خلق۔ خالق و مالک اللہ کے سوا باقی سب کچھ خلق ہے۔ دریا اور پہاڑ، زمین اور آسمان، فرشتے اور جنات، آدمی اور انسان، روٹی اور پانی، کپڑا اور مکان، تصور اور خیال، تقاضا اور احساس، دوا اور علاج — سب کچھ تخلیق ہے اور ان سب کا خالق اللہ رب العالمین ہے۔

اپنی سوچ کا جائزہ لیں اور سمت کا تعین کیے بغیر اس سوچ کے اندر سفر کریں۔ ہمیں عادت ہے کہ 1000 خیالات میں سے 999.999999 خیالات میں ہماری سوچ صرف اور صرف خلق میں سفر کرتی ہے، چاہے ہم کھڑے ہوئے ہوں، بیٹھے ہوں، نوکری کر رہے ہوں، عبادت میں مشغول ہوں، جسمانی طور پر سفر میں ہوں یا ذہنی طور پر مصروف ہوں۔ یہ بتایئے کہ سوچ کے اس سفر میں ہم کہاں پہنچیں گے —؟

جواب آسان اور ظاہر ہے۔

ہم جس سمت میں سوچ رہے ہیں، اس کا حاصل ''خلق'' کے بارے میں نئی معلومات، نئے پہلوؤں کی دریافت اور نئے احساسات کا اجتماع ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں ہم تخلیق کردہ چیزوں سے متعارف ہونے کے ساتھ ان کے اثرات سے متاثر ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے ہم متعارف ہونا سمجھ رہے ہیں، وہ سمجھنا نہیں، ایک موڑ پر پہنچ کر الجھ جانا ہے کیوں کہ ہم تخلیق کار کو جانے یا اس کی حکمت سے واقف ہوئے بغیر تخلیق کو جاننا چاہتے ہیں۔ ایسی ہر کوشش آدمی کو بند گلی میں لے جاتی ہے۔ ہم نے وہی حاصل کیا ہے جس کی جستجو کی اور جستجو کے حصول میں کئی سرد و گرم سے گزرے، وقت صرف کیا، کچھ کام یا بیاں حاصل کیں مگر حتمی نتیجے پر نہیں پہنچے — اور زندگی گزر گئی۔

اب اگر کوئی سفر کے آخر میں عذر پیش کرے کہ میں خالق تک اس لئے نہیں پہنچ سکا کیوں کہ خالق تک پہنچا نہیں جاسکتا تو سوال کیا جاسکتا ہے کہ بھائی! آپ کی سوچ کی سمت کیا تھی ــــ؟

''اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا، 'کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟' انہوں نے کہا، 'جی ہاں! آپ ہمارے رب ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں۔' یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں قیامت کے روز تم یہ نہ کہہ دو ہم اس بات سے بے خبر تھے۔'' (الاعراف: ۱۷۲)

ہم نے ہر لمحہ، ہر دن، ہر مہینہ اور ہر سال خلق کی جستجو میں گزارا ہے، ہمارے پاس اپنے لئے وقت نہیں ہے، ہماری سوچ ظاہری چیزوں میں گم ہے اور ہم بے حسی سے کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نہیں ملتا۔ آپ شمال کی طرف سفر کریں اور پہنچ جائیں جنوب میں، ایسا نہیں ہوتا۔ ذہن جب کسی منزل اور نتیجے پر پہنچتا ہے تو کچھ وقت کے لئے اس مقام پر رکتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔ جس مقام پر وہ ٹھہرا تھا، اس کے اثرات اس کے اندر منتقل ہوجاتے ہیں۔ مصوری سے متاثر شخص فن مصوری کے بارے میں گفتگو پسند کرتا ہے، اور رحمٰن و رحیم اللہ سے محبت کرنے والا ہر تخلیق میں رحیم و رحمٰن اللہ کی صناعی دیکھتا ہے۔

خلق میں رہنے سے مراد ظاہری اشکال کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات مخلوقات کے لئے بنائی ہے کہ وہ اس میں موجود نعمتوں سے استفادہ کریں اور صرف اللہ کی پرستش کریں۔

''میں نے جن وانس کو سوائے اس کے اور کسی مقصد کے لئے تخلیق نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔'' (الذٰریٰت: ۵۶)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کائنات میں غور وفکر کا حکم دیا ہے۔ مذہب میں ترکِ دنیا نہیں ہے بلکہ دنیا کو اس نظر سے دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ ہوجائے۔ ہر شے میں سماعت و بصارت، علم وفہم اور احساس وگویائی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوائی ہیں۔ ہم ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں لیکن ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کو تلاش نہیں کرتے۔ یہ خلق میں رہنا اور خالق سے دور ہونا ہے۔ انسان جس قدر خلق کے ہجوم میں سفر کرتا ہے اس کے لئے زمان ومکان کا پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے اور وہ اسفل سافلین میں گر کر خود کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے دور کرلیتا ہے۔ اللہ توّاب الرحیم ہے۔ وہ منتظر رہتا ہے کہ مخلوق کب میری طرف پلٹے اور میں اسے اپنی محبت میں سمیٹ لوں۔

خالق کی راہ میں سفر کرتے ہوئے یہ مقام آتا ہے کہ زمان اور مکان موجود ہوتے ہیں لیکن معلوم نہیں ہوتے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفات حدود و قیود سے آزاد ہیں۔

احمد نواز

ذہن خلا ہے

قصہ سن کر مجھے نیند نہیں آئی اور روحانی علم کا تذکرہ ہوا تو پوٹے بھاری ہو گئے۔ کیا میرے سوچنے سمجھنے کی طرز افسانوی ہے کہ ذہن نے افسانے کو قبول کیا مگر علمِ حقیقی سن کر سن ہو گیا ــــ؟

محمود اور احسن دوست تھے۔ احسن کی بہن نوشین ایک حادثے کی وجہ سے تین ماہ سے کوما میں تھی۔ سب نوشین کی صحت یابی کے لئے دعا گو تھے۔ کسی نے محمود کو پوش علاقے میں ایک بزرگ کے بارے میں بتایا۔ بزرگ محمود سے تمام حالات سن کر کچھ دیر کے لئے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

چند منٹ کے بعد حاضرین سے فرمایا، آنکھیں بند کر لیں۔ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھیں اور رحمۃ للعالمینؐ کے وسیلے سے تصور کریں کہ ہم اللہ کے حضور حاضر ہیں اور نوشین بیٹی کی صحت یابی کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ تصور میں جتنا انہماک ہوتا ہے، دعا کی قبولیت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ سب نے آنکھیں بند کیں اور تصور میں ڈوب گئے۔

بیس منٹ کے بعد بزرگ نے بلند آواز سے تین مرتبہ درود شریف پڑھا اور آنکھیں کھول دیں۔ حاضرین نے ان کی تقلید کی۔ پھر چائے اور دیگر لوازمات پیش کئے گئے۔ تین روز بعد محمود کو احسن کی طرف سے فون پر پیغام ملا کہ نوشین کو ہوش آ گیا ہے۔ محمود نے خوش خبری بزرگ کو جا کر سنائی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا، مبارک باد دی اور ہدایت کی کہ وہ اپنے دوست کے پاس مٹھائی لے کر ضرور جائے۔ حسب استطاعت مساکین کو کھانا کھلائے، دو رکعت شکرانے کے نفل ادا کرے اور وقت نکال کر اس محفل میں شریک ہوا کرے۔

عموماً خوشی کے لمحات میں کئے گئے وعدے یاد نہیں رہتے۔ محمود مصروفیات میں ایسا کھویا کہ بزرگ کے پاس جانا یاد نہیں رہا۔ تاوقتیکہ ایک اور حادثہ اسے بزرگ کے در پر لے آیا۔

محمود اس بات سے بے خبر تھا کہ نوشین کی بات بچپن میں طے ہو گئی تھی۔ اسپتال سے گھر آنے کے تین ماہ بعد نوشین پیا دیس سدھار گئی۔ محمود نے نوشین کے ساتھ زندگی گزارنے کے سپنے دیکھے تھے، ان سپنوں کا محل ایک جھٹکے میں زمین بوس ہو گیا۔ حال یہ ہوا کہ ہر وقت

نوشین کے خیالوں میں گم رہتا۔ کاروبار میں دلچسپی ختم ہوگئی۔ آوارہ گردی کر کے وقت گزارتا۔

قانون قدرت کے مطابق خوشی کی لہریں خوش قسمتی کو دعوت دیتی ہیں۔ محمود کی بہن نازیہ بولی، امی جان! کیوں نہ بھائی کی شادی کردی جائے۔

چھوٹی بہن نادیہ نے کہا، باجی آج کل لڑکیوں کی کون سی کمی ہے۔ انٹرنیٹ پر محمود بھائی کی تصویر ڈالیں اور ضرورت رشتہ کا اشتہار دیں، پوری دنیا سے رشتوں کی لائن لگ جائے گی۔ آسٹریلیا، سوئٹزرلینڈ، فن لینڈ، کینیڈا، جرمنی، فرانس۔ بس دیکھتی جایئے۔

اماں کے لہجے میں سختی در آئی اور سرزنش کرتے ہوئے بولیں، ہم خاندانی لوگ ہیں۔ اس طرح انٹرنیٹ پر رشتوں کے اشتہار نہیں دیتے۔ رشتے دیکھ بھال کر طے کئے جاتے ہیں۔ شادی کا مقصد نسل کا بڑھنا اور بچوں کی اچھی تربیت ہے۔ انٹرنیٹ پر کسی کا کیا پتہ کہ کون کیسا ہے؟ تمہارے ذہن میں یہ بات کیسے آگئی؟ سوچ سمجھ کر بولا کرو!

ابو نے نادیہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا، اچھا ہے کہ محمود اب معمول کی طرف لوٹ آئے۔ جس بزرگ کے پاس پہلے گئے تھے، ان سے ملنا چاہیے۔ بزرگوں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے۔ امید ہے محمود مایوسی سے نکل آئے گا۔

محمود کمرے میں داخل ہوا تو سب خاموش ہوگئے۔ اس نے باتیں سن لی تھیں۔ ذہن میں بزرگ کا روشن چہرہ آگیا جن کی دعا سے نوشین صحت یاب ہوئی تھی۔ میز پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور ابو سے کہا کہ میرے ساتھ چلیں۔ ابو کچھ کہے بغیر اس کے پیچھے آئے۔ تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ پوش علاقے کے خوب صورت ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔

محمود نے گزشتہ تین سال کی آپ بیتی سنانا شروع کی۔ بزرگ نے توجہ سے بات سنی پھر کافی دیر تک دم کیا۔ محمود کو سر سے بوجھ اترتا محسوس ہوا۔

بزرگ نے محمود کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے والد سے کہا، حنیف صاحب! بیٹے کو ہر اتوار کو یہاں بھیجا کریں، تین سال اس نے ضائع کردیئے، مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

اتوار کو وہ گھر والوں کے ساتھ حاضر تھا۔

بزرگ فرما رہے تھے — مظاہر قدرت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو حرکت میں رکھنے کے لئے نظام بنایا ہے۔ مثلاً ہوا اور بارش کا نظام، سورج کا طلوع وغروب ہونا، چاند کا گھٹنا بڑھنا، دن اور رات کا آنا جانا، پیدائش وموت، جذبات واحساسات، مخلوقات میں تنوع وغیرہ۔ اسی طرح سوال پیدا ہونا بھی ایک نظام ہے جو دلیل ہے کہ ذہن کے تاروں میں حرکت ہوئی ہے۔ سوال خلا ہے اور جواب خلا میں دوڑنے والا کرنٹ ہے۔ سوال گوشت پوست کا جسم ہے اور جواب اس میں موجود روح ہے، سوال سکے کا ایک

رخ ہے اور جواب اس کا دوسرا رخ ہے۔

یاد رکھیں! بزرگ نے حاضرین کو سمجھایا۔ ہر سوال کے اندر بے شمار زاویے ہیں جن سے علم و حکمت کے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ نت نئی ایجادات اور انکشافات ہوتے ہیں۔ بحث و مباحثے سے نئے نظریات جنم لیتے ہیں۔ دوسروں کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے۔ عقل و شعور اور فہم و فراست میں اضافہ ہوتا ہے اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

پھر بزرگ محمود کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی بات جاری رکھی — ہم آسانی تو چاہتے ہیں مگر مشکل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ مشکل اور آسانی سکّے کے دو رخ ہیں۔ قانون قدرت کے تحت جب ہم نے آسانی کا انتخاب کیا تو سکّے کا دوسرا رخ مشکل بھی سامنے آیا جسے ہم نے مصیبت سمجھ لیا۔ دعا کا عمل اس مشکل کو آسان بناتا ہے۔

محمود نے پوچھا، میں جب پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا تو ہم سب نے مل کر دعا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا کو شرف قبولیت بخشا اور قریب المرگ مریضہ کو موت سے لوٹ آئی۔ میں اس کی حکمت جاننا چاہتا ہوں۔

بزرگ نے فرمایا، جب کوئی دعا رحمۃ للعالمینؐ کے وسیلے سے مانگی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے۔ دعا کیا ہے؟ ایک لہر ہے — مخلوق کی ذہنی ساخت اس طرح بنائی گئی ہے کہ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ سوچ بھی ایک لہر ہے۔ ذہن سے لہریں خارج ہوتی ہیں اور ذہن ہی ان لہروں کو جذب کرتا ہے۔ دونوں کام ہمہ وقت جاری رہتے ہیں۔ جب ہم نے ذہنی یکسوئی کے ساتھ تصور کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں تو اس سے پہلے درود شریف کا ورد کیا گیا۔ درود شریف پڑھنے کا مطلب رحمۃ للعالمینؐ سے رابطہ قائم کرنا ہے۔ پس ہم نے اجتماعی دعا کی، سب کی دعا مشترک تھی، اس میں حضور پاکؐ کی رحمت کی روشنیاں شامل ہوگئیں۔ یعنی مشکل، آسانی میں بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔ دعا کی درخواست جب اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچی تو — اتنا کہہ کر بزرگ خاموش ہوگئے۔

چند لمحے بعد دوبارہ بولے، آپ نے بچپن میں سورج کی طرف آئینہ کر کے اس کی روشنی اندھیرے پر ضرور ڈالی ہوگی۔ حاضرین نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس سے آپ نے انعکاس کا قانون سیکھا۔ یاد رکھیں! تمام طبعی قوانین، الٰہی قوانین کے پابند ہیں۔ اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ نے دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

محمود کے ذہن میں بہت سے سوالات تھے۔ بزرگ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا، اللہ تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے "کُن" ہوجا! پس وہ کام کامل طرزوں کے ساتھ مکمل ہوجاتا ہے۔ ہم دن کے حواس میں زندگی گزارتے ہیں اور رات کے حواس میں سوجاتے ہیں۔ دن کو جاگنا اور رات کو سونا ہمارا معمول ہے۔ کوما میں جانے والی مریضہ رات کے حواس میں داخل ہوئی اور سوگئی۔ اب اصولاً اسے دن کے حواس کی طرف لوٹنا تھا مگر دماغی چوٹ کی وجہ سے وہ

دن کے حواس میں داخل نہ ہو سکی ۔رات کے حواس دراصل مادی جسم سے آزادی کے حواس ہیں اس لئے وہ اس حالت کے قریب پہنچ گئی ۔ ماں باپ اور عزیز رشتہ داروں نے صحت یابی کے لئے دعائیں مانگیں مگر ابھی مقدار کم تھی، مریضہ مکمل ہوش میں نہ آسکی۔ جب ہم نے حضور پاکؐ کے وسیلے سے اجتماعی طور پر اس کی صحت یابی کے لئے دعا کی تو وہ معین مقداریں جن سے دن کے حواس تخلیق ہوتے ہیں، مکمل ہو گئیں، اور مریضہ کو ہوش آ گیا۔

محمود نے کہا، دن کے حواس اور رات کے حواس، یہ باتیں میں نے پہلے کبھی سنیں نہ پڑھیں۔

بزرگ نے فرمایا، اے میرے بیٹے! ہم زبان سے جو لفظ ادا کرتے ہیں وہ معنی و مفہوم کے ساتھ فضا میں نشر ہوتا ہے ۔ فضا بھی خلا ہے۔ یہ لفظ جو ایک لہر ہے، خلا میں پیوست ہو جاتا ہے اور قضا و قدر کے فیصلے اسی فضا کی ماہیت کے مطابق آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں۔ آپ نے کہاوت سنی ہوگی کہ جس گھر میں گلے شکوے ہوتے ہیں، اس گھر کا کنواں خشک ہو جاتا ہے۔

نہ جانے اس طرح کی باتوں میں کیا چاشنی تھی کہ محمود کا ذہن سن ہو گیا۔ وہ بزرگ کی باتیں سن رہا تھا لیکن یہ رموز اس کی سمجھ سے بالاتر تھے۔ غنودگی طاری ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد آنکھ کھلی تو محفل کا رنگ بدل گیا تھا۔ بزرگ جانتے تھے کہ باطنی علوم کے ذکر سے محمود پر غنودگی طاری ہو گئی ہے، اس کے ذہن میں اتنی سکت نہیں جو ان رموز کے موافق ہو اس لئے انہوں نے مختصر تذکرے کے بعد گفتگو کا رخ بدل دیا۔ البتہ محفل میں ظرافت بھی ادب کے دائرے میں تھی۔

ایک شخص قصہ سنا رہا تھا کہ جن بھوتوں کی کہانیاں کس طرح پھیلتی ہیں — جناب! شہر میں آنے سے پہلے میں گاؤں میں رہتا تھا۔ بچپن میں ہم کھیتوں میں سوتے تھے ایک رات تیز بارش ہو گئی۔ بدحواسی میں بستر اٹھا کر گھر کے بجائے گدھوں کے باڑے کی طرف بھاگا۔ سچ بات یہ ہے کہ مجھے نیند بہت آتی ہے۔ سوچے سمجھے بغیر گدھوں کے درمیان جا کر سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک گدھے نے میرے کان میں زوردار پھونک ماری۔ پانی کے بہت سے قطرے چہرے اور کان پر پڑے تو آنکھ کھل گئی۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ گدھے مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے، پھر یکا یک انہوں نے شور مچا دیا۔

قریب گھر میں گدھوں کا مالک سو رہا تھا۔ اب بارش رک چکی تھی وہ لالٹین لے کر باڑے میں آیا۔ سب سے پہلے اس نے گدھوں کے سردار کو دو ڈنڈے مارے پھر وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ میں چادر اوڑھے کونے میں سمٹا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے مجھے بھوت سمجھا اور بھوت بھوت کا شور مچاتا ہوا بھاگ گیا۔ اس وقت مجھے ہوش آیا کہ میں غلطی سے اسلم کے باڑے میں آ گیا ہوں۔ جلدی سے چادر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے لالٹین اٹھا کر گھر کی طرف چل دیا۔ کچھ فاصلے پر بیری کے درخت سے

لالٹین باندھی اور گھر آ کر سو گیا۔ صبح بیدار ہوا تو گاؤں میں اس بھوت کے چرچے تھے جس نے رات کو اسلم کے باڑے میں بھوتنی اور تین بچوں کے ساتھ بسیرا کیا تھا اور نشانی کے طور پر جاتے ہوئے لالٹین بیری کے درخت پر باندھ گیا تھا۔ گاؤں کے بہت سے لوگوں نے بھوت کو نہر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ بعد میں، میں نے لوگوں سے کہا کہ وہ کوئی بھوت نہیں، میں تھا۔ سب نے سمجھا کہ ان کا ڈر ختم کرنے کے لئے ایسا کہہ رہا ہوں۔ وہ آج بھی اپنے بچوں کو بھوت کی کہانی سناتے ہیں اور اپنے اندر خوف اگلی نسل میں منتقل کرتے ہیں۔

حاضرین اس قصے سے محظوظ ہوئے۔

سوال و جواب کی محفل ختم ہو چکی تھی اور سب گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ محمود گھر جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ قصہ سن کر مجھے نیند نہیں آئی اور روحانی علم کا تذکرہ ہوا تو پوٹے بھاری ہو گئے۔ کیا میرے سوچنے سمجھنے کی طرز افسانوی ہے کہ ذہن نے افسانے کو قبول کیا مگر علمِ حقیقی سن کر سن ہو گیا—؟

دنیا کا یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ ہر چیز کے لئے وقت کی مقدار مقرر ہے جسے عرف عام میں زندگی کہتے ہیں اور ہر چیز کی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو اس سے متاثر ہوتے ہیں یا اسے متاثر کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر بزرگ نے حاضرین پر ایک نظر ڈالی اور بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، آپ لوگ دنیاوی مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہاں تشریف لاتے ہیں، اس عاجز کی گفتگو سنتے ہیں اور علمی سوالات پوچھتے ہیں۔ ایک الجھن ہوتی ہے جس کا جواب علم کے دروازے کھولتا ہے۔ اب تک جتنی ترقی ہوئی ہے وہ اسی سوال کا جواب ہے کہ میں کون ہوں، میرے اختیارات کی حدود کیا ہیں اور کائنات میں میرا مقام کیا ہے—؟ ہر شخص کا تجربہ اور خیالات جدا ہیں لیکن اس محفل میں جہاں اپنے ارادے سے آپ اپنے ذہن کو میرے ذہن کے تابع کر دیتے ہیں تو قانون قدرت کے تحت آپ کا ذہن ایک خلا بن جاتا ہے، میرے ذہن میں ابھرنے والی لہریں آپ کے ذہن میں منتقل ہو کر اس خلا کو پُر کرتی ہیں اور غیب آپ کا مشاہدہ بن جاتا ہے۔ ہم جس کا اثر قبول کرتے ہیں، اس کی صفات ہمیں منتقل ہوتی ہیں۔

اس محفل میں شرکت سے مایوسی کی جگہ امید نے لے لی تھی۔ گھر والے محمود میں تبدیلی پر خوش تھے اور خود بھی سکون کی روشنی سے مستفیض ہوئے تھے۔ زندگی کو ایک مقصد مل گیا تھا کہ چیزوں کا پانا اور کھونا اہمیت نہیں رکھتا، اہم یہ ہے کہ بندہ بھول بھلیّوں میں گم نہ ہو جائے۔ یہی قانون عشقِ حقیقی میں ہو تو معنی بدل جاتے ہیں کہ جب تک بندہ خود کو محبوب کی ذات میں گم نہ کر دے، خود کو نہیں پا سکتا۔ قانون ایک ہے لیکن مجازی اور حقیقی کے فرق کی وجہ سے اس کا نفاذ مختلف ہے۔

عشقِ حقیقی کی لطافت اللہ والوں کے یہاں ملتی ہے۔

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ فرماتے ہیں،

”میں اس کے جمال میں محو ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے وصال میں ڈوبا ہوا ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں اس کے چہرے کا غلام اور اس کی زلف کا اسیر ہوں۔ میں اس کے کوچے کی خاک ہوں، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ جان و دل فدا کر کے اور اس چاند کا شناسا ہو کر رقص کر رہا ہوں، میں نے خود کو فنا کر دیا ہے، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔ میں بوعلی قلندر ہوں اور دوست کے نام پر مست ہوں۔ دل میں اس کا عشق بسا ہوا ہے، نہیں جانتا میں کہاں گیا۔“

دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کا تصور نہ ہو تو نور کی جگہ ظلمت لے لیتی ہے اور فرد کے جسم مثالی، خلیات، کروموسومز، DNA اور جینز ـــ سب میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس نور قلب و ذہن کو لطیف کر دیتا ہے اور لطافت ـــ محبت ہے۔

عشقِ مجازی وسیلہ ہے عشقِ حقیقی میں داخل ہونے کا۔ مجاز اصل کے بجائے فرضی یا اعتباری وجود کو کہتے ہیں۔ کسی شے یا صفت کا بطور تمثیل یا استعارہ اظہار۔ مجازی دنیا میں ہر شے ٹوٹ پھوٹ سے گزرتی ہے۔ ان میں دل لگایا جائے تو دل میں بھی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔ تکلیف میں مبتلا شخص ایسے مرکز سے رجوع کرنا چاہتا ہے جس کی ذات میں دائمی سکون ملے، اور یہ مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے۔

ہم آئنے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئنے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئنہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ہوس رنگ و بو کریں

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدان شہر
اے دردؔ آ کے بیعت دست سبو کریں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے کہ کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئنے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

(کلام: خواجہ میر دردؒ)

فرزانہ پروین

وجود در وجود بارش

مقرر یا اساتذہ دوران گفتگو یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ اب آگے چلتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ وہ نہ آرہے ہیں نہ کہیں جارہے ہیں، ایک کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ذرا تصور کریں، طائرانہ نظر ڈالیں — یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معنی و مفہوم طے کر لئے گئے ہیں۔

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔" (النحل: ۱۲۵)

حرف دراصل علامت ہے۔ علامات (حروف) کو جوڑ کر اس کے معنی و مفہوم طے کر لئے جاتے ہیں۔ مثلاً امن، فساد، نیکی، تقویٰ وغیرہ۔ یہ تین سے چار حروف پر مشتمل الفاظ ہیں لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے عمیق (گہرے) ہیں۔

حروف میں وسعت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب خالق کائنات نے دو حرفی لفظ (ک+ن) کُن فرمایا تو لاشمار عالمین پر مشتمل کائنات تمام وسائل کے ساتھ ظاہر ہوگئی اور پھر "الست بربکم" سے ان میں حواس کی تحریک کا عمل شروع ہوا۔

آواز ذہن میں موجود پروگرام کو ظاہر کرتی ہے۔

تجربہ ہے کہ جوشیلا خطیب ہزاروں کے مجمع میں توانائی بھر دیتا ہے۔ ان کے اندر سے سستی ختم کر کے اور جمود توڑ کر کچھ کرنے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ یہ امنگ تخریب اور تعمیر دونوں رخوں میں ہوسکتی ہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ پہلے تولو پھر بولو۔

سوچ سمجھ کر جو بات کی جاتی ہے وہ اپنے لئے مفید ہوتی ہے اور سننے والا بھی مستفید ہوتا ہے۔

کائنات میں ہر شے بولتی ہے، اسے آواز عطا کی گئی ہے۔ آواز کیا ہے —؟ الفاظ میں معنی و مفہوم کا اظہار ہے۔ پُرسکون آواز سے سرور اور کیف پیدا ہوتا ہے اور آواز میں کرختگی سے اعصاب متاثر ہوجاتے ہیں۔

قوم ثمود پر مسلسل نافرمانیوں کے نتیجے میں جو عذاب آیا وہ خوفناک چنگھاڑ تھی جس سے نافرمان قوم اپنے گھروں میں اوندھی پڑی رہ گئی۔

"رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت

دھماکے نے ان کو دھر لیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حرکت پڑے رہ گئے گویا وہ وہاں کبھی بسے نہ تھے۔ سنو! ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سنو! دور پھینک دیئے گئے ثمود!'' (ھود: ۶۷۔۶۸)

حضرت داؤدؑ جب زبور کی تلاوت کرتے اور اللہ کی حمد و تسبیح بیان کرتے تو ماحول میں ایسا ردھم بن جاتا کہ شجر و حجر اور پرندے سب ان کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جاتے تھے۔ یہ حضرت داؤدؑ کی آواز کے قانون سے واقفیت تھی۔ جب بندہ آواز کی فریکوئنسی سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے حکم سے ماحول کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ فرماتے ہیں،

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیمؔ
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا

آواز اور بولے گئے الفاظ ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن یہ وزن رکھتے ہیں اور جگہ گھیرتے ہیں۔ ہر لفظ کی ایک اسپیس ہے کیوں کہ اس لفظ کے ادا کرنے سے مخصوص مظاہرہ ہوتا ہے۔ بارش کہنے سے ذہن میں پورا نقشہ (اسپیس) بن جاتا ہے، بادل گرجتے ہیں، بجلی کڑکتی ہے، بارش برسنے کی آواز آتی ہے اور خوش بو محسوس ہوتی ہے۔ بارش سے منسوب مناظر فلم کی طرح نظر سے گزر جاتے ہیں۔ یہ لفظ ''بارش'' کی اسپیس ہے۔ بارش سے متعلق جتنا وژن بڑھے گا، ذہن میں بارش کی اسپیس میں وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔

سوچئے! یہ محض ایک لفظ کی کارفرمائی ہے جس کے ادا کرنے سے ذہن میں تصویروں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

بعض الفاظ میں مفہوم پریشان اور غم زدہ کر دیتے ہیں، سن کر کندھوں پر بوجھ محسوس ہوتا ہے اور دل بھاری ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم سب کو محفوظ رکھیں۔ ہمیں سوچنا ہے کہ یہ بوجھ کہاں سے آیا—؟ بوجھ اس تصور سے وابستہ ہے جس کے تحت ہم نے الفاظ میں معنی پہنائے ہیں۔ جن الفاظ میں یقین کی، امید کی بات ہو، وہ سننے والے کے لئے اطمینان کا باعث ہوتے ہیں کیوں کہ ان الفاظ کو ادا کرنے والے کے اندر یقین ہے۔ جیسے ڈاکٹر حوصلہ افزائی سے مریض اور اس کے اہل خانہ کی آدھی پریشانی دور کر دیتا ہے اور مریض کو صحت یابی کی طرف لوٹنے میں مدد دیتا ہے۔

ایک خاتون کے معاشی حالات بہت خراب تھے۔ اس نے کسی کورس میں داخلے کے لئے ٹیسٹ دیا اور ٹیسٹ اچھے نمبروں سے پاس کر لیا لیکن کورس کی ماہانہ فیس مالی استعداد سے زیادہ تھی۔

خاتون نے اس بات کا ذکر ساتھی طالبہ سے کیا۔

طالبہ نے ہمت بندھائی کہ آپ فکر نہ کریں، کچھ نہ

کچھ بندوبست ہوجائے گا۔

عمومی مشاہدہ ہے کہ زیادہ تر افراد معاشی تنگی میں مایوسی اور بہت زیادہ محدود سوچ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ ہمت افزائی سے خاتون کو حوصلہ ملا کہ اللہ تعالیٰ کوئی بندوبست کردیں گے — اور انتظام ہوگیا۔

سوچیں اگر ساتھی طالبہ کہہ دیتی کہ سوچ سمجھ کر داخلہ لو، مہنگائی بہت ہے، فیس کیسے ادا کروگی، پھر آنے جانے کا کرایہ اور دیگر اخراجات کے لئے بھی پیسے چاہئیں۔ خاتون پہلے ہی معاشی تنگی کا شکار تھی، ہوسکتا ہے مایوس ہوکر ارادہ بدل لیتی تو کورس میں داخلے کا بہترین موقع ہاتھ سے نکل جاتا۔

کسی بادشاہ نے دانش وروں اور مفکروں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور پوچھا کہ کیا ایسا کوئی مقولہ ہے جو ہر قسم کے حالات میں کام آئے۔

دانش ور اور مفکر سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ آخر کون سی بات ہے جو ہر جگہ، ہر وقت، ہر حال میں مفید ہو؟ یہ دشوار امر تھا لیکن حل نکالے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد ایک مفکر کی تجویز سب کو پسند آئی۔

وہ دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں لفافہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس لفافے میں وہ مقولہ موجود ہے جس میں تمام مشکلات کا حل ہے۔ شرط یہ ہے کہ لفافے کو ہر وقت اپنے پاس رکھیں، اس وقت کھول کر دیکھیں جب آپ تنہا ہوں، کسی مشکل میں پھنس گئے ہوں یا مدد چاہئے ہو۔ بادشاہ نے تجویز مان لی اور لفافہ احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیا۔

کچھ عرصے بعد دشمن ملک نے حملہ کردیا، بادشاہ کی فوج سخت دفاع کے باوجود پسپا ہوگئی۔ دشمن بادشاہ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ بادشاہ جان بچانے کے لئے بھاگتے بھاگتے ایسے پہاڑی مقام پر پہنچا جہاں آگے گہری کھائی تھی اور پیچھے دشمن تعاقب میں تھا۔

جیب میں رکھے ہوئے لفافے کا خیال آیا۔ کھول کر دیکھا تو اندر موجود کاغذ پر لکھا تھا،

''یہ وقت بھی گزر جائے گا''

تحریر کو بغور پڑھا۔ لفظ ''بھی'' نے عیش و آرام کے دن یاد دلائے۔ مقولہ پڑھ کر خوف دور ہوگیا کہ جب وہ دن گزر گئے تو یہ وقت بھی گزر جائے گا!

مقررین یا اساتذہ دوران گفتگو یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ اب آگے چلتے ہیں، دیکھتے ہیں۔ حالاں کہ وہ نہ آرہے ہیں نہ کہیں جارہے ہیں، ایک کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ ذرا تصور کریں، طائرانہ نظر ڈالیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معنی و مفہوم طے کر لئے گئے ہیں اور ذہن ان کے مطابق مفہوم اخذ کرتا ہے۔ بظاہر یہ چند حروف پر مشتمل چھوٹے چھوٹے الفاظ ہیں لیکن سننے والوں کو ذہنی طور پر محفل میں موجود رکھتے ہیں اور شعور کو غافل نہیں ہونے دیتے ورنہ عام مشاہدہ ہے کہ مقرر نہایت اچھی اور مفید بات کررہے

ہوتے ہیں لیکن سامعین میں سے کچھ لوگ سو جاتے ہیں یا ذہنی طور پر غیر حاضر رہتے ہیں۔ یہاں دلچسپی زیر بحث آجاتی ہے۔

الفاظ کے انتخاب اور استعمال کے لئے موقع محل کی اہمیت ہے، اس سے تربیت، طرز فکر اور ذہنی رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ پھر آدمی جو کہے اس پر عمل نہ کرے تو فہم میں خلا پیدا ہو جاتا ہے۔

حکیم وعلیم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔'' (الصف: ۱-۳)

تاکید کی جارہی ہے کہ جس بات کی دوسروں کو تلقین کرتے ہو، پہلے خود اس پر عمل کرو۔

بیان کیا جاچکا ہے کہ حروف دراصل علامات ہیں جن سے بننے والے الفاظ اور جملوں کے معنی ومفہوم طے کر لئے گئے ہیں، وہ سننے والے پر مکمل تاثرات مرتب کرتے ہیں۔ مقرر وہ بات کرے جس پر خود عمل کیا ہو تو الفاظ میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

قانون ہے کہ بولنے والے کے ذہن میں اس کے عمل کی فلم بنی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جب وہ کہتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اللہ کے دیئے ہوئے وسائل میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کرو۔'' وسائل میں پیسہ، علم، وقت، ذہنی وجسمانی صلاحیت، فہم وفراست وغیرہ سب شامل ہیں۔ جب یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں، اس میں بولنے والے کا عمل بھی شامل ہو جاتا ہے اور سننے والوں کو منتقل ہوتا ہے۔

ہر لفظ دو رخوں سے مرکب ہے۔ عمل کے بغیر الفاظ خول ہیں۔ لفظ کا ظاہر شکل وہیئت ہے اور باطن معنی کا وہ نقش ہے جس کے اظہار کے لئے لفظ وجود میں آیا ہے۔ اگر دنیا سے پیاس کا خاتمہ ہو جائے تو پانی کا وجود ختم ہو جائے گا۔

آج معاشرے پر نظر ڈالیں تو زیادہ تر لوگ مایوسی پھیلانے والے ہیں کیوں کہ وہ خود مایوس ہیں۔ جب کہ قرآن کریم میں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ کہو، سب کچھ اللہ کا ہے۔ اس نے رحمت اپنے اوپر لازم کر لی ہے۔'' (الانعام: ۱۲)

الہامی کتاب کے الفاظ میں لامحدود توانائی ہے۔ آیات الٰہی کو ٹھہر ٹھہر کر یعنی غور وفکر کے ساتھ پڑھنے سے مفہوم کھلتا ہے اور الفاظ میں توانائی قاری کو منتقل ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام اور مومنین کے حوالے سے ذکر ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

''اور انہیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کا قصہ سناؤ۔ جب وہ آئے اس کے ہاں اور کہا، سلام ہو تم پر! تو اس نے کہا، ہمیں تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا، ڈرو نہیں ہم تمہیں ایک دانش مند لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا، کیا تم اس بڑھاپے میں مجھے اولاد کی بشارت دیتے ہو۔ ذرا سوچو یہ کیسی بشارت تم مجھے دے رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا، ہم تمہیں برحق بشارت دے رہے ہیں، تم مایوس نہ ہو۔ ابراہیمؑ نے کہا، اپنے رب کی رحمت سے مایوس تو گم راہ لوگ ہوتے ہیں۔'' (الحجر: ۵۱-۵۶)

عدم تحفظ، نفرت، غصہ ـــ یقین، بھروسا، محبت، ہمدردی، تعاون، خلوص سب اپنے تاثرات کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ تصوف کی تعلیمات کے مطابق الفاظ میں لطافت اور خوب صورتی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمدؐ پر درود و سلام اور ان کی مدحت میں بیان کیے گئے الفاظ جو روح کے آئینے میں نورانی لہروں کو منعکس کرتے ہیں اور جن کے باعث روح سرشار ہو جاتی ہے، وہ الفاظ بھی حروف کی خاص ترتیب ہیں۔

خوشبو ہے دو عالم میں تری اے گلِ چیدہ
کس منہ سے بیاں ہوں تیرے اوصافِ حمیدہ
سیرت ہے تیری جوہرِ آئینۂ تہذیب
روشن تیرے جلووں سے جہانِ دل و دیدہ
مضمر تیری تقلید میں عالم کی بھلائی
میرا یہی ایماں ہے یہی میرا عقیدہ
تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریدہ
خیرات مجھے اپنی محبت کی عطا کر
آیا ہوں تیرے در پہ بہ دامانِ دریدہ
اے رحمتِ عالمؐ تیری یادوں کی بدولت
کس درجہ سکوں میں ہے میرا قلبِ تپیدہ

بندہ سوچتا ہے کہ آخر شاعر کس کیفیت میں تھا کہ ان ایمان افروز الفاظ کا ورود ہوا۔ جو شخص جتنا روح سے قریب ہے، اس کے اندر اتنے ہی پاکیزہ جذبات، لطیف احساسات اور خوب صورت الفاظ ذخیرہ ہوتے ہیں اور سخت حالات میں بھی امید قائم رہتی ہے۔

الفاظ اور معانی

مولانا رومؒ فرماتے ہیں ـــ لفظ کو جسم کی طرح سمجھو اور معنی اس کے اندر روح کی مانند ہے۔ تن کی نظر مادے پر ہوتی ہے اور روح کی آنکھ روحانی عالم کو دیکھتی ہے۔ مثنوی کے الفاظ ایسے نقوش ہیں کہ اگر محض ان کی ظاہری صورت پر اکتفا کیا جائے تو یہ تیری سمجھ میں نہیں آئیں گے اور معانی کی جستجو کرے تو ہدایت ملے گی۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن قرآن کریم سے ہدایت پاتا ہے اور نادان اس کو نہ سمجھ کر اپنی لاعلمی کے باعث بصیرت سے محروم رہتا ہے۔

سرورق کی تشریح

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات الفاظ اور احساسات سے ماورا ہے۔ سرورق پر سفید رنگ دیکھ کر یہی ذہن میں آیا کہ عرش، کرسی، سدرۃ المنتہیٰ، دائرے اور کائنات کی سب موجودات پر اللہ کی صفات محیط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو رنگوں سے مزین کیا ہے۔ رنگ شعور ہے اور کائنات چار شعور میں تقسیم ہے۔ چوتھا شعور فرد کا ذاتی شعور ہے۔

باقی تین لاشعور ہیں جن کو شعور کا نام اس لئے دیا گیا کہ لامحدودیت بھی اپنے زون میں محدود ہے کیوں کہ ہر زون سے اوپر ایک اور زون ہے۔ ہر زون کی اپنی خصوصیات ہیں اور اسی کے مطابق علم کے درجات ہیں۔

حضور پاکؐ ــــ رحمۃ للعالمین ہیں۔ رب کریم اللہ تعالیٰ وسائل تخلیق فرماتے ہیں اور رب کریم کے حکم سے حضور پاکؐ ان وسائل کو کائنات میں تقسیم فرماتے ہیں۔ حضور پاکؐ کو جو علم عطا کیا گیا ہے وہ علم انسانیت کی معراج ہے۔

سرور کونینؐ کا ارشاد گرامی ہے،

''وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تشکیل سے پہلے خاتم النبیین حضرت محمدؐ کا نور پیدا فرمایا پھر اس نور سے کائنات تخلیق کی۔ یہی نور کائنات کے ہر ذرّے میں ہے۔ اللہ کو اس طرح جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرنی چاہئے جس طرح رسول اللہؐ نے اللہ کو جانا اور پہچانا۔ اس کا طریقہ سیرت نبویؐ پر عمل ہے۔ یہی شعور کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو روح کو اصل سے وصل کے لئے بے قرار رکھتا ہے۔ سرورق پر سفید رنگ ــــ ان رنگوں سے دوری ہے جن میں تغیر ہے۔ سیاہ دائرہ دیکھ کر ذہن میں سیاہ نقطے کا خیال آیا جس میں پوری کائنات ریکارڈ ہے۔ اس دائرے میں انا کی

لہروں کا علم ہے اور اسی دائرے میں رنگوں کی دنیاؤں کا ریکارڈ موجود ہے۔ (ڈاکٹر زبیر احمد۔ کراچی)

زلفِ سیاہ شبِ دیجور چہرۂ زیبا جلوۂ طور
نازِ حسیناں گردِ خرام کملی والےؐ تجھ پہ سلام

فخرِ موجودات ــــ تاج دار کونین ــــ رحمۃ للعالمین ــــ محبوبِ رب العالمین ــــ احمد مجتبیٰ ــــ حضرت محمد مصطفیٰؐ کا تصور دل میں روشن ہوتا ہے اور ذکر مبارک زبان پر آتا ہے تو روآں روآں عقیدت و محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتی ہوں تو دل میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ ضمیر کہتا ہے کہ پیارے نبیؐ کا ایثار دیکھو! ان کی اللہ سے محبت اور وابستگی پر غور کرو۔ اللہ کے محبوبؐ کی شان میں جذبات کا اظہار جن الفاظ میں کیا جائے، کم ہے۔ اس لئے محبوبؐ خدا کو یاد کرنے کا جو طریقہ اللہ نے بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

پاک اور بلند مرتبہ ذات اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔'' (الاحزاب: ۵۶)

درود و سلام سے آدمی ــــ مومن بن جاتا ہے۔ ہادی برحقؐ کے ذکر سے ذہن دیگر امور میں بھی ہمہ وقت لاشعوری اور شعوری طور پر حضور پاکؐ کی طرف متوجہ رہتا ہے، فکر کے دریچے کھلتے ہیں اور اللہ کے کرم سے حاضری نصیب ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ ہمیں نبی پاکؐ کا روحانی ورثہ عطا ہوتا کہ ہم دنیا میں آنے کے مقصد سے واقف ہو جائیں، آمین۔ (جنت بی بی۔ کراچی)

سرورق میں انبیائے کرام اور انبیائے کرام کے سردار حضرت محمدؐ کے مقام و مرتبے کا ذکر ہے۔

''یہ سب رسول ہیں۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔'' (البقرۃ: ۲۵۳)

سرورق میں بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرام کی طرز فکر کو اپنانے والے لوگ رات کے حواس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگ دن کے حواس میں زندگی گزارتے ہیں۔ رات کے حواس میں اللہ سے قربت ہے، انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہے۔ دن کے حواس میں رنگوں کا تغیر اللہ سے دوری ہے۔ رات کے حواس میں داخل ہونے کا طریقہ فرماں برداری ہے جس سے لاشعور یعنی سماوات ہمارا شعور بن جاتے ہیں۔ (محمد علی۔ اسلام آباد)

پیغمبران کرام علیہم السلام ــــ خالق کائنات اللہ تعالیٰ کے منتخب بندے ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم سے قوم کی

تعلیم وتربیت کی اور لوگوں کو اللہ کی بندگی سکھائی۔ انبیائے کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے ہر لحہ اللہ کے ذکر میں رہتے ہیں۔ یہ مرکزیت دل کو اللہ کے نور سے پُرنور کر دیتی ہے اور نور ان کا مشاہدہ بن جاتا ہے۔

نورِ محمدیؐ سے پوری کائنات میں وسائل تقسیم ہوتے ہیں۔ یہی نور — احسن تقویم ہے۔ احسن تقویم کو اسمائے الٰہی کا علم عطا کیا گیا ہے۔ کائنات صفات الٰہی کا مظاہرہ ہے۔ اللہ کی ''رحمت'' سے عالمین کا گوشہ گوشہ روشن ہے۔ (پروفیسر محمد طاہر۔ چنیوٹ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں رب العالمین ہوں — میرے محبوب محمدؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ سات آسمان یا سات زون — علم کے درجات ہیں۔ حضور پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے، ''صلوٰۃ مومن کی معراج ہے۔''

مومن علم کے حصول میں جس زون یا درجے تک پہنچتا ہے، وہ زون اس کے لئے غیب سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

(عدنان نذیر۔ اٹک)

''پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو ادب والی مسجد سے دور کی مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کروائے۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' (بنی اسرآءیل :۱)

آپؐ بیت المقدس سے عالم بالا تشریف لے گئے۔ پیغمبران کرام سے ملاقات فرمائی۔ حجاب عظمت اور حجاب کبریا آپؐ پر منکشف ہوا۔ مقام محمود میں اللہ کا دیدار ہوا — دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا۔

انبیائے کرام کی اطاعت بندے کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔'' (محمد: ۳۳)

حضور پاکؐ کا ایک اسم مبارک ''قاسم'' ہے۔ یعنی تقسیم کرنے والا۔ اسی لئے حضور پاکؐ کے وسیلے سے دعائیں مانگنے کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ وسائل کے خالق ہیں اور نبیؐ پاک اللہ کے حکم سے وسائل تقسیم فرماتے ہیں۔

اے کہ ترا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے جمال کی زکوٰۃ

(یاسمین گل۔ فیصل آباد)

کابلی والا

رابندر ناتھ ٹیگور بنگالی زبان کے نوبل انعام یافتہ شاعر، فلسفی، افسانہ و ناول نگار ہیں۔ ''کابلی والا'' مختصر کہانی ہے جو انہوں نے 1892ء میں بنگالی زبان میں لکھی۔ قارئین کے لئے مختصر ترجمہ پیش ہے۔

میری پانچ سالہ بیٹی منی بہت باتونی ہے۔ جب سے باتیں کرنا سیکھی ہیں، بات کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ اس کی ماں زیادہ باتیں کرنے سے روکتی ہے۔ میں ایسا نہیں کرتا کیوں کہ جانتا ہوں خاموش رہنا اس کی فطرت میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب منی بات نہیں کرتی، اس کی خاموشی مجھ پر گراں گزرتی ہے اور میں خود کوئی موضوع چھیڑ دیتا ہوں۔

ایک صبح ناول کا سترھواں باب سپرد قلم کر رہا تھا، منی آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی اور میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی، پتا جی! رام دیال کو کوّا کہنا نہیں آتا۔

اس سے قبل کہ میں زبانوں کا فرق سمجھاتا، اس نے دوسرا سوال کیا، پتا جی! آپ کو معلوم ہے بھولا کہتا ہے کہ جب ہاتھی سونڈ میں پانی جمع کر کے آسمان سے پھینکتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔ بھولا کتنی فضول باتیں کرتا ہے۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے —؟ جواب کا انتظار کیے بغیر منی نے تیسرا سوال کیا، پتا جی! ماں آپ کی کون ہے؟

میں نے سنجیدگی سے کہا، منی باہر جا کر بھولا کے ساتھ کھیلو، میں کام کر رہا ہوں۔

باہر جانے کے بجائے وہ میرے قریب فرش پر بیٹھ گئی اور اپنے گھٹنوں کو ڈھول بنا کر آہستہ آہستہ بجانے لگی۔

میں ایک بار پھر ناول لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

اچانک منی نے کوئی آواز سنی اور کھیل چھوڑ کر کھڑکی کی طرف ''کابلی والا، کابلی والا'' کہتی ہوئی دوڑی۔

میں بھی قلم میز پر رکھتے ہوئے کھڑکی کی طرف بڑھا۔

گلی میں ایک کابلی ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ سر پر صافہ، پیٹھ پر تھیلا اور ہاتھ میں کشمش کے ڈبے تھے۔ میری سمجھ سے بالاتر تھا کہ پانچ سالہ بچی نے کیا جان کر اسے آواز دی۔

آہ! اب یہ اندر آئے گا اور ناول کا سترھواں باب مکمل ہونے سے رہ جائے گا۔

بچی کی آواز سن کر کابلی والے نے اوپر دیکھا اور مسکرا کر قدموں کا رخ ہمارے گھر کی طرف کر لیا۔

منی خوف زدہ ہو کر اندر بھاگی۔

دیگر بچوں کی طرح ذہن میں خوف تھا کہ پیٹھ پر

بندھی تھیلی میں اس کے جیسے دو تین بچے قید ہوں گے۔

دروازہ کھلا تھا۔ وہ سلام کے بعد اجازت لے کر اندر آیا۔ باوجود یہ کہ میرا ذہن اپنے ہیرو ہیروئن کی منظر نگاری میں مصروف تھا، اس خیال سے کہ یہ گھر میں آیا ہے، کچھ نہ خریدنا اچھی بات نہیں، میں نے کچھ چیزیں خریدیں۔ اس دوران کئی موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چل نکلا جن میں سے ایک اس زمانے میں افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن کا ذکر تھا۔

کافی دیر باتوں کے بعد جاتے ہوئے اس نے دریافت کیا کہ بچی نظر نہیں آرہی، کہاں ہے—؟

منی کا خوف دور کرنے کے لئے اسے سامنے لایا۔

وہ میرے قریب کھڑی لیکن خوف زدہ تھی، نظریں کابلی والے کے بند تھیلے کی طرف تھیں۔

کابلی والے نے تھیلی میں سے خوبانی اور کشمش نکال کر منی کی طرف بڑھائے لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور خوف زدہ ہو کر میرے پیروں سے چمٹ گئی۔

یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔

کچھ عرصے بعد میں ضروری کام سے گھر سے نکلا تو کیا دیکھا کہ منی دروازے کے قریب بینچ پر اور کابلی والا اس کے پیروں کے پاس زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ بول رہی ہے اور وہ سن رہا ہے اور بات بڑھانے کے لئے درمیان میں ٹوٹی پھوٹی بنگالی میں اپنی رائے دیتا جاتا۔ مانوس ہونے پر شدید حیرت ہوئی۔ شاید وجہ یہ تھی کہ میرے علاوہ اس کی پانچ سالہ زندگی میں کابلی والا دوسرا شخص تھا جو منی کی باتیں بہت غور سے سن رہا تھا۔ پلّو میں بادام اور کشمش بندھے ہوئے تھے۔

میں نے کابلی والے سے کہا، تم نے یہ سب اسے کیوں دیئے۔ دوبارہ ایسا مت کرنا۔ پیسے دیئے جو اس نے بلا تامل جیب میں رکھ لئے۔

ایک گھنٹے بعد گھر واپس آیا تو سماں اور تھا۔

کابلی والے نے پیسے منی کو واپس کر دیئے تھے۔

منی کی ماں ناراض ہوئی کہ یہ کس نے دیئے؟

کابلی والے نے۔ منی نے خوش ہو کر بتایا۔

کابلی والے نے دیئے ہیں؟ او منی! تو نے اس سے پیسے کیوں لئے؟

منی نے روتے ہوئے بتایا، میں نے نہیں لئے، اس نے خود دیئے ہیں۔

میں منی کو ڈانٹ سے بچانے کے لئے باہر لے گیا۔

دونوں کی پہلی ملاقات میری موجودگی میں ہوئی۔ آج صبح ان کو دروازے پر بیٹھا دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ دوسری ملاقات نہیں تھی۔ وہ غالباً منی سے ملنے روز آتا تھا۔ اس نے پستہ، بادام اور کشمش وغیرہ دے کر منی کا دل جیت لیا جس سے بچی کا خوف دور ہو گیا۔

کابلی والے کا نام رحمت تھا۔ منی اور وہ اب اچھے دوست تھے، ہنسی مذاق کرتے اور خوش ہوتے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے بعض جملے مخصوص تھے۔

منی تھیلے کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے پوچھتی، کابلی والے! تھیلے کے اندر کیا ہے ــــ؟

وہ مصنوعی آواز میں کہتا، ہاتھی!

یہ ایسی بات نہیں تھی جس پر دونوں بے تحاشا ہنستے مگر وہ ہنستے تھے۔ یہ ان دونوں کا خاص مذاق تھا۔ چھوٹی بچی کی اپنے سے کئی سال بڑے اجنبی شخص سے دوستی اور ان کی معصوم باتوں نے مجھے بہت متاثر کیا۔

بعض اوقات کابلی والا کہتا، منی تم سسرال مت جانا۔

ہر بنگالی لڑکی بچپن میں جان لیتی ہے کہ سسرال کسے کہتے ہیں۔ ہم نئی روایات کے دلدادہ تھے، منی کو اس عمر میں ان باتوں سے دور رکھا۔ کابلی والے کے سوال پر وہ سوچ میں گم ہو جاتی لیکن خاموش رہنا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ لاعلمی چھپانے کے لئے الٹا رحمت سے سوال کرتی، کیا تم سسرال جاؤ گے؟

وہ مصنوعی غصے کا اظہار کر کے مکّا بناتا اور کہتا، میں اپنے سسرال کی خوب خاطر کروں گا۔

غریب سسرال کا تصور کر کے منی بے تحاشا قہقہے لگاتی اور اس مسرت میں اس کا قوی ہیکل دوست بھی حصہ لیتا۔ میں دونوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا۔

خزاں کا موسم تھا۔ یہ وہ موسم ہے جب پرانے زمانے میں بادشاہ ملک فتح کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے اور میں خزاں میں اپنے گوشۂ عافیت سے پاؤں نکالے بغیر ساری دنیا کا تصور کرتا تھا۔ میں کبھی کلکتہ سے باہر نہیں گیا۔ کوئی غیر ملک کا نام لیتا تو دل سیر کے لئے مچل جاتا۔ مجھے کوئی غیر ملکی باشندہ سڑک پر نظر آتا تو چشم تصور میں اس ملک کے پہاڑ، چشمے، جنگل جس کے درمیان ان کا گھر بسا ہوگا، پھرنے لگتے۔ میں سوچتا کہ ان جنگلوں میں زندگی کتنی آزاد ہوگی۔ غالباً سفر کے نظارے تخیل میں اس لئے گزرتے ہیں کہ میں ایسے پودے کی سی زندگی بسر کرتا ہوں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے مرجھا جاتا ہے۔ چناں چہ اگر بیرون ملک سفر کرنے کا ارادہ کرتا تو جسم فنا ہوتا محسوس ہوتا۔ البتہ میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے سفر میں تھا۔ میرا وجود گھر میں ہوتا لیکن ذہن دنیا کی سیر کرتا تھا۔

ہر صبح کابلی والے سے باتیں کر کے لگتا تھا کہ میں کابل کے خشک پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گیا ہوں، ان کے تنگ درّوں میں سے اونٹ کی قطار تجارتی سامان سے لدی ہوئی گزر رہی ہے اور اس سامان میں کچھ پرانے ہتھیار وغیرہ بھی موجود ہیں۔

جب میں عالم تصور میں کھو جاتا تو منی کی ماں کی آواز چونکا دیتی۔ وہ کابلی والے سے ہوشیار رہنے کے لئے متنبہ کرتی تھی۔ بدقسمتی سے وہ بہت وہم پرست واقع ہوئی ہے۔ سڑک پر شور سنتی یا لوگوں کو مکان کی طرف آتے دیکھتی تو انہیں چور، شرابی، سانپ، شیر، چیتے، جھینگر غرض ایسے نقصان پہنچانے والے جانور اور افراد سمجھتی تھی۔ وہ ڈر سے نجات نہ پا سکی۔ ہمیشہ مجھے خبردار کرتی کہ اس سے ہوشیار رہو۔

میں ہنستے ہوئے اس کا خوف دور کرنے کی کوشش کرتا تو سنجیدگی سے پوچھتی کہ کیا بچے اغوا نہیں کیے جاتے۔۔۔؟ کیا یہ ممکن نہیں اتنا بڑا شخص اتنی چھوٹی بچی کو اغوا نہ کرے۔۔۔؟

میں نے اعتراف کیا کہ یہ بات ناممکن نہیں لیکن اس کے امکانات نہیں ہیں۔ وہ ایسا نہیں کرسکتا کیوں کہ میں نے اسے کسی منفی سرگرمی میں ملوث نہیں پایا۔

مگر اس کی ماں کا ڈر دور نہیں ہوا۔

سال میں ایک مرتبہ جنوری یا فروری کے مہینے میں رحمت گھر والوں سے ملنے اپنے وطن واپس جاتا تھا اور جانے سے پہلے ہر گھر سے اپنے پورے سال کا قرض وصول کرتا مگر منی کے پاس آنا نہ بھولتا۔ کابلی والے اور منی کے درمیان انسیت پر محلے والوں کو حیرت ہوتی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس میں راز ہے۔

اکثر مجھے بھی اس بات کا احساس ہوتا لیکن جب حسب دستور منی کو کابلی والا کابلی والا پکارتے اور دونوں کو ہنسی مذاق کرتے دیکھتا تو شبہ دور ہو جاتا۔

ایک صبح مطالعے میں معروف تھا۔ سردی کے دن تھے، سورج کی کرنیں کھڑکی میں سے گزرتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر یخ بستہ موسم میں بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ قریب آٹھ بجے کا وقت تھا۔

یکا یک گلی میں شور سنائی دیا۔

کھڑکی کی طرف گیا تو باہر عجیب منظر تھا۔ کابلی والے کو دو سپاہی لے جا رہے تھے۔ اس کے کپڑوں پر خون کے نشان اور سپاہی کے ہاتھ میں چھری تھی۔

میں دوڑ کر گلی میں آیا اور پولیس کو روکتے ہوئے گرفتاری کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کابلی والے نے میرے پڑوسی کو رامپوری شال قرض پر دی تھی۔ پیسے دینے کا وقت آیا تو پڑوسی مکر گیا۔ کابلی والے کو جھوٹ پر طیش آیا۔ دونوں میں جھگڑا ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی۔

کابلی والا بہت غصے میں تھا۔ اس دوران منی دوڑتی ہوئی برآمدے میں آئی اور اپنے لہجے میں زور زور سے کابلی والا کابلی والا کہہ کر پکارنے لگی۔

منی کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا لیکن اس وقت اس کے پاس وہ تھیلا نہ تھا جسے دیکھ کر وہ ہاتھی کے متعلق سوال کرتی تھی۔

اس نے پوچھا، کیا تم سسرال جا رہے ہو۔۔۔؟

سوال پر وہ ہنس دیا اور کہنے لگا، بچی تم ٹھیک کہتی ہو میں وہیں جا رہا ہوں لیکن آج میرے ہاتھ بند ہیں۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

اقدامِ قتل کی پاداش میں کئی سال کی سزا ہو گئی۔

وقت گزرتا گیا۔ کابلی والے کا خیال دل سے نکل چکا تھا لیکن کبھی کبھی یہ بات ضرور ذہن میں آتی کہ وہ جیل میں زندگی کے دن بسر کر رہا ہے۔

مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ خود میری محبت نواز بیٹی اپنے دوست کو بھول چکی تھی۔ اب نئے دوست

اس کی دلچسپی کا مرکز تھے۔وہ بڑی ہو گئی تھی اس لئے زیادہ وقت لڑکیوں میں گزارتی تھی۔نئے دوستوں میں اتنا گھل مل گئی کہ میرے کمرے میں بھی نہ آتی۔اب مجھے اس سے بات کرنے کا موقع کم ملتا تھا۔

کئی سال گزر گئے۔ایک بار پھر خزاں کا موسم آیا۔منی کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔انتظامات مکمل تھے۔گھر کا اجالا ہمیں اندھیرے میں چھوڑ کر اپنے سسرال جانے والی تھی۔

صبح کا سہانا وقت تھا، بارش رک چکی تھی۔معلوم ہوتا تھا ہوا بھی پانی سے دھل کر صاف ہو گئی ہے۔سورج کی تیز کرنیں چمکتے ہوئے سونے کی مانند معلوم ہوتی تھیں، اتنی صاف اور چمکیلی کہ کلکتہ کی پرانی اور میلی دیواریں چمک اٹھی تھیں۔

آج صبح سے شادی کی خوشی منائی جارہی تھی۔نفیری کی آواز ہوا میں گونج رہی تھی۔ہر آواز پر دل بیٹی کی جدائی کے خیال سے بیٹھ جاتا۔

صحن میں شامیانہ لگا ہوا تھا۔چاروں طرف لوگ ہشاش بشاش کاموں میں مشغول تھے اور میں مطالعے کے کمرے میں شادی کا حساب کتاب دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں کوئی شخص اندر داخل ہوا اور سلام کیا۔

پہلے تو میں پہچان نہ سکا۔غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ شاید وہ کابلی والا ہے۔اس وقت اس کے پاس تھیلا نہیں تھا۔مسکراہٹ سے میں پہچان گیا۔

کیسے ہو رحمت، کب آئے؟

کل شام کو جیل سے آزاد ہوا ہوں۔

یہ الفاظ کانوں کو بہت ناگوار معلوم ہوئے کیوں کہ میں نے آج تک ایسے شخص سے بات نہیں کی تھی جو اپنے ہم جنس کو زخمی کرے اور جیل جائے۔مجھے خوشی کے موقع پر اس کا آنا بدشگونی معلوم ہوا۔

میں نے کہا، یہاں کچھ رسمیں ادا کی جارہی ہیں اور میں بہت مصروف ہوں، کسی اور دن آؤ تو بہتر ہے۔

وہ جانے کے لئے مڑا۔چند قدم چل کر دروازے کے قریب پہنچا تھا کہ جھجکتے ہوئے کہا، کیا میں ایک نظر بچی کو دیکھ سکتا ہوں؟ شاید اسے یقین تھا کہ منی سالوں بعد اسے دیکھ کر دوڑتے ہوئے آئے گی، کابلی والا کابلی والا پکارے گی اور دونوں ہنسی مذاق کریں گے۔گزشتہ دنوں کی تلافی میں وہ کاغذ میں بادام اور کشمش لایا تھا جو اس نے اپنے کسی ہم وطن سے لئے ہوں گے کیوں کہ اب وہ مفلوک الحال تھا۔

میں نے الفاظ دہراتے ہوئے کہا، گھر میں شادی ہے اس لئے آج کسی سے نہیں مل سکتے۔

وہ آزردہ ہو گیا اور کچھ دیر تک مایوس نگاہوں سے میری طرف دیکھتا رہا۔پھر سلام کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔مجھے افسوس ہوا۔

میں اسے روکنا چاہتا تھا۔

یکا یک وہ رک گیا اور میری طرف مڑا۔

قریب آکر لفافہ دیتے ہوئے کہا، جناب! بچی کے

واسطے کچھ چیزیں لایا ہوں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر اسے دے دیں گے —؟

میں نے وہ چیزیں لے لیں۔ ان کی قیمت ادا کرنا چاہتا تھا کہ اس نے یہ کہتے ہوئے میرا ہاتھ روک لیا، جناب! جانتا ہوں آپ مہربان ہیں، مجھے پیسے مت دیں۔ آپ کی بچی کی ہم عمر میری بھی ایک بچی ہے۔ بہت یاد آتی ہے اس لئے خشک میوے آپ کی بچی کے واسطے لے آتا ہوں، اور کوئی غرض نہیں۔

یہ کہتے ہوئے اس نے میلے کپڑوں میں ہاتھ ڈال کر تہ شدہ بوسیدہ کاغذ نکالا اور میز پر رکھ کر اس کی شکنیں دور کیں۔ کاغذ پر چھوٹے ہاتھ کے نشان بنے تھے۔ یہ کوئی تصویر نہ تھی، کوئی مکمل نقش بھی نہ تھا۔ صرف سیاہی میں ہاتھ بھر کے کاغذ پر لگا دیا گیا تھا۔

یہ نشان اس کی لڑکی کے ہاتھ کے تھے جسے وہ ہمیشہ اپنے سینے سے لگائے کلکتہ کی گلیوں میں پھرتا تھا۔

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خیال آیا جس طرح میں باپ ہوں، یہ بھی باپ ہے۔ مجھے اس کی لڑکی کے ہاتھ کا نشان دیکھ کر جو بہت دور پہاڑی وطن میں تھی، اپنی بیٹی کا خیال آیا۔ حالاں کہ اس وقت اسے باہر بلانا آسان نہیں تھا لیکن میں نے سب کچھ گوارا کرتے ہوئے منی کو آواز دی۔

وہ سرخ ریشمی لباس میں، ماتھے پر صندل کا ٹیکا لگائے بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی۔ کابلی والا منی کو اس ہیئت میں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور پرانی دوستی ظاہر نہ کر سکا۔

تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا، بیٹی! کیا سسرال جا رہی ہو؟ اب منی سسرال کا مطلب جانتی تھی اس لئے پہلے کی طرح جواب نہ دیا بلکہ سوال پر اسے بہت شرم آئی اور وہ مڑ کر اندر چلی گئی۔ مجھے منی اور کابلی والے کی پہلی ملاقات یاد آ گئی اس لئے یہ منظر دیکھ کر افسوس ہوا۔ منی کے جانے کے بعد کابلی والے نے ٹھنڈی آہ بھری اور زمین پر بیٹھ گیا۔ شاید وہ اپنی بیٹی کے خیال میں کھویا سوچ رہا تھا کہ منی کی طرح وہ بھی بڑی ہو گئی ہو گی۔ اللہ جانے ان سالوں میں کیا سے کیا ہو گیا ہو گا۔

شادیانے بج رہے تھے۔ خزاں کی دھوپ اپنے شباب پر تھی اور کابلی والا کلکتہ کی گلی میں بیٹھا افغانستان کے تصور میں کھویا ہوا تھا۔ افغانستان کے پہاڑ اور مناظر نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ مجھے بے حد افسوس ہوا۔

میں نے جیب سے نوٹ نکال کر دیتے ہوئے کہا، اپنے وطن اپنی بیٹی کے پاس جاؤ۔ شاید تم دونوں کا ملنا میری لڑکی کی خوش قسمتی کا باعث ہو اور اس کی برکت سے منی ہمیشہ خوش رہے۔

کابلی والے کی آنکھوں میں نمی تھی۔ اس تحفے کی وجہ سے کچھ رسمیں ملتوی کرنا پڑیں کیوں کہ گھر سجانے کے لئے بعض انتظامات نہ کر سکا۔ رشتہ دار خواتین اس بات پر افسردہ تھیں لیکن میری نظر میں شادی کی خوشی دوبالا ہو گئی تھی — اس خیال سے کہ دور دراز ملک کا ایک بھولا بھٹکا باپ دوبارہ اپنی بچی سے ملے گا۔

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

کنفیوشس کہتا ہے، ''میں قدما سے محبت کرتا ہوں اور ان کی عزت میرے دل میں جاگزین ہے۔ ان کی تعلیمات اتنی ہمہ گیر اور اہم ہیں کہ میں ان کے مطالعے سے کبھی نہیں تھکتا۔ روحانی دولت کا ان مٹ خزانہ ان میں پوشیدہ ہے۔ جس کا دل چاہے ان سے اخلاقی اصول اور روحانی روشنی حاصل کرسکتا ہے بشرطیکہ طلب صادق موجود ہو۔ اسی لئے میں اپنی تحریروں میں ہمیشہ ان سے استفادہ کرتا رہتا ہوں اور سوائے شاذ حالتوں کے میں نے کبھی جدید نظریات یا تصورات پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرا کام تو ان کو نئے ماحول کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔'' اس کی خواہش تھی کہ امرا ان پرانے قوانین سے جو قدیم بادشاہوں نے وضع کئے تھے، اپنی اور قومی زندگی کی اصلاح کریں اور اس طرح ملک میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہوسکے جیسا قدیم ایام میں تھا۔ (کتاب: حکمائے قدیم کا فلسفۂ حیات، مرسلہ: وجاہت خان۔ لاہور)

دنیا کو دیکھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ مثبت اور بھلائی کے نظریے سے دیکھیں۔ دوسرا طریقہ منفی اور بدنیتی سے دیکھنا ہے۔ جب آپ اپنی ذمہ داری پوری کریں گے تو سوچ مثبت ہوگی اور آپ دنیا کو نیک نیتی کی نظر سے دیکھیں گے۔ اس طرح حقیقت پسند بن جائیں گے اور شخصیت خوش مزاج ہوجائے گی۔ اس کے برعکس آپ منفی اور بدنیتی کی نظر سے دنیا کو دیکھیں گے تو آپ کو ہر جانب مشکلات، ناانصافی، گناہ، اور برائی نظر آئے گی، ہر جگہ مایوس اور ناامید لوگ ملیں گے۔ منفی سوچ کی ابتدا غصہ اور ناراضی سے ہوتی ہے اور یہ دونوں معاشرتی برائیوں کی سب سے بڑی وجہ ہیں۔ ان سے ناامیدی اور مایوسی پیدا ہوتی ہیں جس سے آپ دوسروں پر الزام لگانے میں وقت ضائع کرتے ہیں اور آپ کی صلاحیتیں کم ہوجاتی ہیں۔

(کتاب: جیسے خیالات ویسی زندگی، مرسلہ: شازیہ ذوالفقار۔ کراچی)

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ و چمن، عروج و زوال، عشق و سرمستی اور فنا و بقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چوٹیوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر و فکر کی محفل میں ردا کی بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معما تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو ردا کے والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثارِ قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ اسے ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دورِ حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ ردا کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا بجرو لال سامنے آیا اور پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ بزرگ سے ملاقات کر کے وہ سہیلی کے ہمراہ گھر جا رہی تھی کہ راستے میں بجرو لال کی وجہ سے حادثہ پیش آ گیا جس میں سہیلی بچ گئی لیکن ردا کوما میں چلی گئی۔ اس دوران ردا کے اندر سے روشنی کا ایک پرت نکلا اور ماضی میں سفر کرتے ہوئے اسے ہزاروں سال پہلے لے گیا۔ اب آگے پڑھئے۔

بھرگوی کو سلابھا کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے روانہ کیا اور آیوشی کو کمرے میں روک لیا۔

آیوشی کچ چانداس؟ (آیوشی یہ کیا معاملہ ہے؟)

وہ نظریں فرش پر جمائے سنسکرت میں بولی، ماں مایاوی! بچی بیگنار قبیلے سے ہے۔ اس کے خاندان پر بڑا ظلم ہوا ہے۔ باپ اور بھائی کو قتل کر دیا گیا، گاؤں کو آگ لگا دی گئی، کوئی گھر لچھادی کے بیٹے دندان سے محفوظ نہ رہا۔ بچے کچے لوگ یہاں سے کوچ کر گئے۔ دندان نے دھمکی دی تھی کہ کسی نے ان کی مدد کی تو حشر بیگنار جیسا ہو گا۔ پھر وہ سلابھا کی ماں کو زبردستی ساتھ لے گیا۔ قبیلے والوں نے علاقہ چھوڑ دیا ہے اور سلابھا ماں کی وجہ سے یہاں رہ گئی۔ لوگ دندان کے خوف سے اسے قریب نہیں آنے دیتے۔

مگر یہ سب کیوں ہوا؟

سلابھا کا باپ شریف طبع اور بیگنار قبیلے کا سردار تھا۔ اس نے دندان کی شکایت راجا کنڈل سے کردی تھی۔ راجا نے دندان کی سرزنش کی۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ راجا کے سارے ناجائز کام دندان کرتا ہے۔ ماں مایاوی! دندان کو جلد خبر ہو جائے گی کہ بیگنار کے سردار کی بیٹی کو ہم نے پناہ دی ہے پھر وہ.....

آیوشی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ خوف زدہ تھی۔

کیا وہ یہاں بھی حملہ کرسکتا ہے؟ میں نے پوچھا۔

نہیں! وہ غاصب ہونے کے ساتھ بزدل بھی ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہماری دیوی ماں اس وقت راجا کنڈل کے بیٹے کا علاج کرنے دربار میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ کسی سازش کا شکار ہو جائیں۔

میں نے کہا، مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ لچھاوی کون ہے، راجا کنڈل کا پورا نام کیا ہے، راجا کے بیٹے کو کیا ہوا ہے، دیوی ماں کون ہیں اور سلابھا کی ماں اس وقت کہاں ہوگی—؟

لچھاوی راجا کنڈل کنڈفیز کے دربار کی سب سے بڑی جادوگرنی ہے۔ راجا کا بیٹا قریب المرگ ہے۔ طبیبوں نے جواب دے دیا ہے۔ آپ سے پہلے اس مکان میں دیوی ماں قیام پذیر تھیں۔ انہوں نے راجا کے بلوانے پر جانے سے انکار کردیا تھا۔ راجا نے دندان کے ذریعے دھمکی دی کہ اگر وہ اس کے بیٹے کا علاج کرنے نہ آئیں تو وہ علاقے کے کھیت کھلیانوں کو آگ لگادے گا۔ غریب لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے دیوی ماں مقررہ وقت پورا ہونے سے پہلے یہاں سے چلی گئی تھیں۔

دھچکا لگا کہ جس علاقے کو میں ویران سمجھ رہی تھی وہاں پوری سلطنت آباد ہے۔ راجا، رعایا، جادوگرنی سب افسانوی داستان کی مانند تھا۔

میں نے پوچھا، سلابھا کی ماں کہاں ہے—؟

معلوم نہیں ہے کہ دندان اسے کہاں لے گیا۔ دندان اور لچھاوی، دیوی ماں کے دشمن ہیں۔ نقصان پہنچانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ آپ نے سلابھا کو پناہ دے کر ان سے دشمنی کا آغاز کردیا ہے۔

ٹیکسلا میں تحقیق کے دوران شہزادے سے ملاقات اور بعد کے واقعات کے بعد میرا سینکڑوں سال پہلے کے دور میں داخل ہونا — ماضی کے کردار سامنے آرہے تھے اور داستان واضح ہورہی تھی۔

شہزادے کا نام جے ونت تھا، وہ راجا کنڈل کیڈفیز کا بیٹا تھا اور اس وقت شدید بیمار تھا۔ دیوی ماں شہزادے کے علاج کے لئے محل میں مقیم تھیں۔ شاہی طبیبوں کے علاوہ نام ور حکما نے علاج کی کوشش کی مگر ناکام رہے اور شہزادے کو چند دنوں کا مہمان قرار دیا۔

شہزادہ خودسر، مغرور اور اوباش تھا۔ شاہی دربار پر لچھاوی اور اس کے خاندان کا کافی اثر ورسوخ تھا۔ لچھاوی کی بیٹی باگیا اور بیٹا دندان شہزادے کے ساتھ پلے بڑھے تھے۔ وہ دندان کے ساتھ رہ کر بگڑ گیا تھا۔

صورت حال کسی حد تک واضح ہونا شروع ہو گئی تھی لیکن ابھی بڑے حقائق پردے میں تھے۔ سرِدست مسئلہ سلا بھا کی ماں کا تھا۔ نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھی۔ آیوشی کے مطابق رتن ناتھ ہماری مدد کر سکتا تھا۔ وہ گاؤں دیس پورا میں رہتا تھا اور سامان کی ترسیل کا کام کرتا تھا۔ اس کا ایک بھائی دندان کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور بہت سی باتوں سے واقف تھا۔ طے پایا کہ رتن ناتھ کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ رتن ناتھ کو دیوی ماں سے بہت عقیدت تھی اور وہ سلا بھا کے خاندان پر ہونے والے ظلم پر رنجیدہ تھا۔ سلا بھا کے باپ سے اس کے اچھے تعلقات تھے۔

بات دوسرے دن صبح رتن ناتھ کی آمد پر ٹل گئی۔

آیوشی دوپہر کے کھانے کا انتظام کر کے جا چکی تھی۔ کھانے کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹی تو ذہنی حالت عجیب محسوس ہوئی جیسے میں اپنے اندر کچھ ڈھونڈنے کی کوشش میں ہوں۔ اور پھر نیند نے آلیا۔

خواب میں دیکھا کہ آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے اور میں کچھ تلاش کر رہی ہوں۔ ذہن الجھن کا شکار ہے، شدید لاچاری کے احساس سے مغلوب، نہایت غمگین ہوں۔ آواز سنائی دی — کوئی قرآنی آیت کا ورد کر رہا تھا۔ آواز اندر میں سے آ رہی تھی یا باہر سے، مجھے نہیں معلوم۔ میں نے غور سے سنا،

"بے شک تو اس سے غفلت میں تھا، ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔" (ق:۲۲)

اس کے ساتھ آنکھوں پر سے پٹی اتر گئی اور خود کو بارہ سنگے کی پشت پر سوار دیکھا جس کی جسامت گائے جیسی تھی۔ رفتار تیز تھی۔ پتہ نہیں وہ مجھے کہاں لے جا رہا تھا۔ میرے مادی حواس معطل تھے مگر حس لامسہ کو وقفے وقفے سے تحریک مل رہی تھی۔ نتیجے میں ذہن خواب سے بیداری میں منتقل ہو گیا۔

سلا بھا میرے پیروں کے پاس کھڑی آہستہ آہستہ پیر تھپ تھپا رہی تھی۔ آیوشی اور بھرگوی پاس ہوتے تو ان کے نزدیک سلا بھا کی یہ حرکت قابل سرزنش ہوتی۔ میں جلدی سے اٹھ بیٹھی اور پیار سے قریب کیا۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بنی مجھے دیکھ رہی تھی۔

کیا بات ہے بیٹا، تم کیوں جاگ گئیں؟

انہوں نے میری ماں کو شاہی اصطبل کے چھوٹے گھوڑوں والے کمرے میں بند کیا ہوا ہے۔ لچھاوی آج رات انہیں مار دے گی پھر ان کا خون پیے گی۔

کیا —؟ خون پیے گی —؟ کس نے بتایا —؟

میں نے خواب دیکھا ہے۔ آپ کو پہلے والی دیوی ماں کے بارہ سنگے پر دیکھا پھر آنکھ کھل گئی۔

خود کو بارہ سنگے پر سوار میں نے بھی دیکھا تھا لیکن بچی کو نہیں بتایا۔ بیٹا! تمہاری ماں کو کچھ نہیں ہوگا۔ ہمیں انہیں بچانے کی بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔

سلا بھا کے مطابق بارہ سنگا دیوی ماں کی سواری تھی۔ خوابوں میں مماثلت بے معنی نہیں تھی۔ خواب کے

مطابق اس کی ماں شاہی اصطبل میں قید تھی۔

بھرگوی ہانپتی کانپتی دوڑتی ہوئی دروازے پر پہنچی اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولی، ماں مایا دی! میں کھیتوں کی طرف گئی تھی اور یہ یہاں آگئی۔

اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہ بتاؤ دیوی ماں کی سواری بارہ سنگا کہاں ہے ــــ؟ اس نے چونکتے ہوئے بتایا، وہ تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہے۔ دیوی ماں نے اسے واپس بھیج دیا ہے۔

بارہ سنگا آگیا تھا۔ وسائل خواب کے مطابق ترتیب میں آرہے تھے ــــ عمل کرنے کی دیر تھی۔ ارادہ اور عمل ــــ کام کی تکمیل کے دو اہم جز ہیں۔ خواب میں ملنے والے اشارے کے مطابق میری فوری روانگی ضروری تھی۔ بھرگوی کو سواری تیار کرنے کا کہا۔

آپ صبح رتن ناتھ سے مل کر روانہ ہوں تو بہتر ہے۔ وہ اپنی دانست میں اچھا مشورہ دے رہی تھی مگر وقت کم تھا اور میں لاعلم تھی کہ جانا کہاں ہے۔ دیوی ماں کی سواری کا یہاں موجود ہونا بتا رہا تھا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، یہ عام بارہ سنگا نہیں ہے۔ اللہ نے ہر مخلوق کو عقل و شعور عطا کیا ہے۔

مجھے حفیظ جالندھری صاحب کی آپ بیتی سے منسلک ایک واقعہ یاد آگیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "شاہنامہ اسلام" میں حضور پاکؐ کی سیرت طیبہ کو چار جلدوں میں منظوم کیا ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کا قومی ترانہ بھی لکھا ہے۔ واقعہ ان کے بچپن کا ہے اور جلال پور جٹاں میں پیش آیا۔ حفیظ جالندھری، قاضی عبدالحکیمؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قاضی صاحبؒ ان سے نعتیں سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ قاضی صاحبؒ سے ملنے آئے۔ وجہ ساون کے مہینے میں خشک سالی تھی۔

ان حضرات نے طنز کرتے ہوئے دعا کا کہا۔

قاضی عبدالحکیمؒ نے فرمایا، آپ لوگ کتوں سے دعا کا کیوں نہیں کہتے ــــ؟

وہ سب غضب ناک ہوئے اور برا کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ کچھ توقف کے بعد ان میں سے ایک صاحب واپس آئے، حضرت! ہم تو کتوں کی بولی نہیں بول سکتے، آپ ان سے دعا کے لئے کہیں۔

قاضی صاحبؒ نے فرمایا، پہلے کیوں نہیں کہہ دیا۔ کل صبح تشریف لائیے اور کتوں کی دعا ملاحظہ فرمائیے۔

جلال پور جٹاں کی تاریخ شاہد ہے کہ کس طرح دوسرے دن علاقے کے کتے منظم انداز میں اکٹھے ہوئے۔ قاضی عبدالحکیمؒ نے انہیں حلوا پیش کیا۔ پھر سارے کتوں نے اجتماعی طور پر منہ آسمان کی طرف کیا اور بارش کے لئے دعا کی ــــ دیکھتے ہی دیکھتے علاقہ جل تھل ہوگیا۔ وہ لوگ جو گزشتہ روز قاضی صاحبؒ پر طنز کررہے تھے، آج ششدر تھے۔ بعد میں انہیں بھی حلوا پیش کیا گیا۔ حلوا کھاتے ہوئے انہوں نے کتوں کی دعا کے معاملے کو جادو قرار دیا جسے سن کر قاضی عبدالحکیمؒ مسکراتے رہے۔

قابل غور ہے کہ قاضی صاحبؒ نے کتوں کو کس طرح حکم دیا؟ وہ ان کے حکم کو کیسے سمجھے اور کس طرح منظم ہو کر دعا کی۔ جانوروں کے اندر فہم و شعور ہے۔ ایسے سینکڑوں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

بھرگوی اور آیوشی بارہ سنگے کو لائیں۔ مجھے چولا نما چادر اوڑھا دی۔ عصا میرے ہاتھ میں تھا۔ بارہ سنگے پر سوار ہونے کے لئے پتھروں کی مدد سے اونچا چبوترا بنایا گیا تھا جو گھر کے دائیں جانب لان میں تھا۔ سلابھا ساتھ جانا چاہتی تھی مگر اس کی موجودگی میرے لئے مشکل پیدا کر سکتی تھی۔ حالات کیا رخ اختیار کریں گے معلوم نہیں تھا۔ لہٰذا تسلی دے کر بارہ سنگا جسے مقامی زبان میں "سانبھر" کہا جاتا تھا، پر سوار ہو گئی۔

نیپال اور تبت کے پہاڑی سلسلوں میں پائے جانے والے بڑے ہرن کی یہ نسل بہت نایاب تھی۔ سانبھر پر لگائی گئی زین کشادہ اور آرام دہ تھی۔ یہ دلچسپ تجربہ تھا۔ عام حالات میں خوف ناک جھاڑ نما سینگوں کی وجہ سے میں اس کے نزدیک نہ جاتی مگر اب لگتا تھا کہ ذہن سے خوف کا خانہ حذف کر دیا گیا ہے۔ میں سانبھر پر سوار ہوئی اور سنسکرت میں شاہی اصطبل کی جانب چلنے کی ہدایت دی۔ وہ پہلے سے واقف تھا کہ جانا کہاں ہے۔ میں نے سانبھر سے ذہنی ربط قائم کرنے کی کوشش کی اور کامیابی ہوئی۔

وہ تیز رفتاری سے پہاڑ سے ترائی کی طرف جا رہا تھا۔ زبان کے بجائے ذہن کے ذریعے رکنے کی ہدایت دی، وہ فوراً رک گیا مگر بے چینی سے مسلسل دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے کان بھی خبردار تھے۔

جنگل میں اندھیرا تھا۔ خطرے کی بو محسوس ہو رہی تھی لہٰذا تیز چلنے کی ہدایت دینے پر سانبھر کود پڑا۔ زین پر بنے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ اس کی دوڑ متوازن اور ہموار تھی۔ ہلکے پھلکے ہچکولوں کے سوا پریشانی نہیں ہوئی۔ رفتار متواتر بڑھ رہی تھی۔ جیسے ہی کشادہ راستے پر پہنچے، تیز رفتاری کا سبب سامنے آ گیا۔

متعدد سیاہ تیندوے ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ سانبھر بے چین تھا اور چاہتا تھا کہ میں راستے پر سے نظریں ہٹا لوں۔ میں اس پیغام کو سمجھ نہیں سکی۔ دائیں بائیں دوڑتے تیندوے میری نگاہ کا ہدف تھے۔ یکا یک خیال ذہن سے گزرا کہ تیندوؤں کو عصا کی مدد سے بھگا دوں۔ اس سے پہلے کہ میں عصا نکالتی، سانبھر کی طرف سے شدت سے نفی کی گئی۔

وہ مسلسل پیغامات دے رہا تھا جنہیں میں منتشر ذہن کی وجہ سے سمجھنے سے قاصر تھی۔ عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی۔ تیندوے سانبھر کو گھیرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے اور وہ غریب اپنے ساتھ مجھے بچانے کی کوشش میں طوفانی رفتار سے پہاڑ سے نیچے اتر رہا تھا۔

تیندوؤں نے متعدد حملے کئے مگر سانبھر کمال مہارت سے محفوظ رہا۔ میری نگاہ آسمان کی طرف اٹھی۔ پتوں

سے چھن کر آنے والی روشنی بتا رہی تھی کہ دن ڈھلنے میں دیر نہیں ہے۔ نظر جس لمحے ماحول سے ہٹ کر آسمان کی طرف متوجہ ہوئی، زمین پر منظر بدل گیا!

سانبھر دریا کے ساتھ دلدلی علاقے میں دوڑ رہا تھا۔ ایسا لگا کہ میں عالم خواب میں ہوں یا دیو مالائی کہانی کا کردار ہوں۔ لیکن یہ خواب تھا نہ میں دیو مالائی کہانی کا کردار تھی۔ ذہن الجھ گیا تھا۔ اسپیس سمٹ کر پھیل گئی تھی۔ کیا اس کے پیچھے سانبھر کی صلاحیت کا دخل تھا۔

ایسا کیوں ہوا ——؟ آواز گونجی،

" پری اے اس کا کارن تو سویم (خود) تم ہی ہو۔ سوم دھارا (آسمان) اسمت (لاتناہی) ہے۔ جب تمہاری بدھی (ذہن) پوری سادھی (ارتکاز) سے سوم دھارا میں لین (جذب) ہوئی تو تمہارے وچیتن (لاشعور) میں موجود اتیو اچھا (شدید خواہش) تتھیا (حقیقت) میں پری ورتن (تبدیل) ہوگئی۔"

وہی آواز —— وہی انداز اور اسی خوب صورت پیرائے میں الجھن کا حل پیش کیا گیا تھا۔ گویا میرے ذہن کی اسکریننگ کا عمل مسلسل جاری تھا۔ میں ہیبت ناک منظر سے دور جانا چاہتی تھی جس میں سیاہ تیندوے سانبھر کو بے بس کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ سانبھر متوازن انداز میں تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ منزل کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ہم نے کتنا فاصلہ طے کیا تھا، تعین ناممکن تھا۔ لگتا تھا کہ وقت ٹھہر گیا ہے۔

جنگل کے اختتام پر دور اندھیروں میں اونچی دیوار دکھائی دی۔ یہ اصطبل تھا۔ ہمیں اس میں داخل ہونا تھا۔ اصطبل محل سے منسلک نہیں تھا۔ یہاں ہونے کی ایک وجہ گھوڑوں کی بہتر نگہداشت تھی یا یہ جگہ اصطبل کی آڑ میں مجرمانہ سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

قلعہ نما اصطبل میں نصب دیو ہیکل دروازہ درختوں کو تراش خراش کر بنایا گیا تھا۔ دروازہ نزدیک آنے پر عصا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ہلکی لرزش اور کرنٹ کا احساس پورے وجود میں دوڑ گیا۔ اس مرتبہ سانبھر نے مزاحمت کی نہ احتجاج کیا۔ دیوار میں نصب لوہے کا بھاری بھرکم ٹکڑا اور رسی کی مدد سے لٹکتا موسل جو غالباً لوہے کے ٹکڑے کو بجانے کے لئے تھا۔ سانبھر بغیر کسی ہدایت کے گھٹنے نما لوہے تک پہنچ گیا۔ عصا لوہے پر مارا تو کان جھنجھنا گئے —— زوردار آواز پیدا ہوئی۔

سانبھر غیر متوقع آواز پر لڑکھڑا گیا۔ اندر بیک وقت کئی لوگوں کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی چھوٹا دروازہ کھلا اور لحیم شحیم محافظ تلواریں لئے باہر آگئے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

مجھ پر نظر پڑی تو گھبرا گئے اور تلواریں نیام میں ڈالتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ میرے لئے یہ ردعمل غیر متوقع تھا۔ خیال تھا کہ گھمسان کی جنگ ہوگی لیکن یہاں تو منظر اور تھا۔ (قسط: ۸)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

ننھے دوستو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

سردی کا موسم آتا ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، سردی سے بچنے کے لئے لوگ گرم کپڑے پہنتے ہیں اور مزے مزے کے کھانے کھاتے ہیں جس سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے یخنی، مونگ پھلی، پستہ، پائے وغیرہ۔ سردی میں بیماریوں سے بچنے کے لئے موسمی پھلوں کا بھی اللہ نے انتظام کیا ہے۔

گرمیوں میں سورج بھائی اتنا چمکتے ہیں کہ ان کے چمکنے سے ہمارے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگتے ہیں۔ لیکن کیا بات ہے، سردی میں بھی سورج طلوع ہوتا ہے، دھوپ پڑتی ہے، دن روشن ہو جاتا ہے، ہر شے چمکتی ہے لیکن سردیوں میں سورج کی دھوپ اچھی لگتی ہے۔ دھوپ ایک ہے پھر گرمی میں دھوپ برداشت کیوں نہیں ہوتی اور سردی میں کیوں اچھی لگتی ہے — ؟

بچو! اگر آپ سے کہا جائے کہ دو سطروں (lines) میں سورج بھیا پر کہانی لکھیں تو بتائیے کہ آپ کیا لکھیں گے۔ کہانی دو سطروں سے زیادہ نہ ہو۔ جواب 20 فروری 2020ء سے پہلے ارسال کریں۔

****

دسمبر 2019ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ دنیا میں کوئی شے ایسی ہے جس میں پانی موجود نہیں؟ بڑی تعداد میں بچوں کے خطوط موصول ہوئے، منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

◇ بچوں کا گوشۂ کتب، (کورنگی ٹاؤن، کراچی): غور وفکر میں چار سے 13 سال کے 10 بچے شامل تھے۔ سورج: گیسوں کا مجموعہ ہے اور گیس پانی ہے۔ لکڑی: درختوں سے حاصل ہوتی ہے اور درخت کی نشوونما پانی سے ہوتی ہے۔ پرندے: انڈے سے نکلتے ہیں اور انڈے میں موجود مقداریں liquid (مائع) ہیں۔ بچوں کو عملی مشق کروائی۔ بچوں نے گملوں میں بیج ڈالے اور پانی دیا۔ ایک ہفتے بعد گملوں میں کونپلیں پھوٹیں۔ بچوں کی سمجھ میں آیا کہ بیج میں پانی داخل ہونے سے بیج کھلا اور مختلف اعضا ظاہر ہوئے۔ ایسی کوئی شے نہیں جو پانی کے بغیر وجود میں آئی ہو۔

◇ فائزہ، جماعت پنجم، کراچی: ہماری روح میں پانی نہیں ہے، جسم میں ہوتا ہے۔

◇ حسین (دبئی): صحرا میں پانی نہیں ہوتا۔

◇ علیم (دبئی): صحرا میں Cactus (ناگ پھنی) کیوں نہیں مرتا؟ وہ صحرا میں پانی کی وجہ سے زندہ رہتا ہے۔
کتاب ــــ کاغذ ــــ لکڑی ــــ درخت ــــ پانی، سورج ــــ اسپیس ــــ گریویٹی ــــ بجلی ــــ پانی

◇ معروف صدیقی، جماعت پنجم (کراچی): ذہن میں آیا کہ بجلی میں پانی موجود نہیں۔ دو منٹ کے لئے آنکھیں بند کیں تو معلوم ہوا بجلی پانی سے بنتی ہے۔

◇ عبداللہ، جماعت پنجم (کراچی): ہر چیز میں پانی ہے۔ پتھر زمین میں ہوتا ہے اور زمین میں پانی ہے۔

◇ نورالعین، جماعت ہفتم (لاہور): میں نے کہا کہ سوچ میں پانی نہیں ہوتا۔ اماں نے سمجھایا کہ سوچ خیال ہے اور خیال میں تصویریں ہیں۔ بارش زمین پر برستی ہے تو زمین پر تصویریں بنتی ہیں۔ ساری تصویریں بارش کے پانی میں موجود ہیں۔ ہم نے دیوار پر پانی پھینکنے کی مشق بھی کی۔

◇ انس آصف: ''اولی الالباب بچے'' میں دیئے گئے سوال پر غور کرکے دماغ کی بیٹری چارج ہوتی ہے۔ خیال تھا کہ پہاڑ میں پانی نہیں ہوتا پھر یاد آیا کہ چشمہ پہاڑ سے نکلتا ہے۔

◇ حیدر علی، جماعت ششم: کپڑا کپاس سے بنتا ہے اور کپاس پانی کے بغیر پھلتا پھولتا نہیں ہے۔

ایک تھا ملّا نصرالدین

ایک تھا ملّا نصرالدین
کرتا تھا باتیں نمکین
سیدھی بات کو الٹا کرنا
کھانے پینے کا شوقین
ایک تھا ملّا نصرالدین
اس سے ہیں منسوب لطیفے
مزے مزے کے ڈھیروں قصے
خوشیوں کی تھا ایک مشین
ایک تھا ملّا نصرالدین
ایک گدھا تھا اس کے پاس
ایک گدھی تھی جس کی ساس
اور بچے تھے اس کے تین
ایک تھا ملّا نصرالدین

(نظم: امجد اسلام امجد)

ترکی میں ایک صاحب، حکیم ملّا نصرالدین کے نام سے مشہور تھے۔ وہ لوگوں کی اصلاح مزاح کے ذریعے کرتے تھے۔ بچو! بظاہر ان کی حرکات سے بے وقوفی ظاہر ہوتی تھی لیکن غور کرنے والے جان جاتے کہ ان کی باتوں میں ظرافت اور علم کے موتی چھپے ہوئے ہیں۔ ان پر نظمیں لکھی گئیں اور حکایات کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

ایک دفعہ ملّا نصرالدین کے دل میں پتہ نہیں کیا خیال آیا کہ دوست کے گھر گئے اور کہا، بھائی! چند دنوں کے لئے کچھ برتن چاہئیں، واپس کر دوں گا۔ برتن لے جا کر گھر میں رکھ لئے، استعمال نہیں کئے۔ اگلے روز دوست کو برتن واپس کئے، ساتھ میں چھوٹا برتن دیا۔ دوست نے چھوٹا برتن واپس کر دیا کہ یہ میرا نہیں ہے۔ ملّا نصرالدین نے کہا، تمہارے برتن نے صبح بچہ دیا ہے، بچہ سمیت برتن لوٹا رہا ہوں۔ دوست خوش ہوا اور برتن رکھ لیا۔

ایک مہینے بعد ملّا نے دوست سے پھر وہی برتن مانگا۔ دوست نے خوشی خوشی دے دیا۔

ہفتے گزر گئے لیکن برتن واپس نہیں آیا۔

دوست نے کہا، نصرالدین! دو دن کے لئے برتن لے کر گئے تھے، اب تک نہیں لائے۔ خیریت ہے؟

ملّا نصرالدین نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا، وہ برتن

تمہیں اب نہیں مل سکتا۔ دوست کے ماتھے پر بل آ گئے۔ کیا مطلب؟ کیوں نہیں مل سکتا؟

یہ خبر دیتے ہوئے بہت افسوس ہو رہا ہے لیکن دوست! تمہارا برتن مر گیا۔

کیا ــــ! برتن مر گیا؟ کبھی سنا ہے برتن مرا ہو؟

ملّا نصر الدین نے جواب دیا، بالکل سنا ہے اور ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ جب برتن کے بچے ہو سکتے ہیں تو برتن کیوں نہیں مر سکتا؟

دوست شرمندہ ہوا۔ پھر کبھی برتن نہیں مانگا۔

دور دراز گاؤں سے ایک اجنبی، ملّا نصر الدین کے پاس آیا اور کہا، نام بہت سنا ہے، آپ لوگوں کے چہروں پر ہنسی بکھیرتے ہیں، میں بھی خوش رہنا چاہتا ہوں، راہ نمائی کریں ایسا کیا کروں کہ میری اداسی دور ہو جائے۔ اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ جتنا امیر ہوں، اتنا اداس ہوں۔ سکون کی تلاش میں کہاں نہیں گیا لیکن سکون نہیں ملتا!

اجنبی کی بات مکمل ہوتے ہی ملّا نصر الدین نے اس کا بیگ چھینا اور دوڑ لگا دی۔ امیر آدمی نے سمجھا کہ ملّا نصر الدین کوئی اور ہیں، میں غلط شخص کے پاس آ گیا ہوں۔ وہ بیگ لینے کے لئے ان کے پیچھے بھاگنے لگا۔ ملّا نصر الدین آگے آگے، اجنبی امیر پیچھے پیچھے۔ تیز دوڑنے کی وجہ سے وہ انہیں پکڑ نہیں سکا۔

جب ملّا نصر الدین کو اطمینان ہو گیا کہ اجنبی ان تک نہیں پہنچ سکتا تو بیگ راستے میں رکھ کر جھاڑی میں چھپ گئے اور اجنبی کا انتظار کرنے لگے۔

وہ ہانپتا ہوا پہنچا ــــ بیگ پر نظر پڑی تو بے یقینی سے ادھر ادھر دیکھا۔ چہرے پر سے بدحواسی اور پریشانی غائب ہوئی اور خوشی نمایاں ہو گئی۔

وہ بار بار کہتا ــــ یا اللہ تیرا شکر ہے!

ملّا نصر الدین سامنے آئے۔ اجنبی انہیں دیکھ کر غصے میں آ گیا اور کچھ کہنے والا تھا کہ انہوں نے کہا، کسی کو خوش کرنے اور ناشکری سے نکالنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ اجنبی سمجھ گیا کہ یہی ملّا نصر الدین ہیں۔ غصہ غائب ہوا اور وہ ہنس دیا۔

ایک روز ملّا نصر الدین کا پڑوسی گھر کے باہر اداس بیٹھا تھا۔ ملّا نے سلام کے بعد خیریت پوچھی۔

لمبی آہ بھر کر کہا، گھر چھوٹا ہے، تین کمرے ہیں، بیوی، تین بچوں اور والدہ کے ساتھ رہتا ہوں۔ بچے بڑے ہو رہے ہیں، اب جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔

مہمان رہنے آجائے تو کچھ نہ پوچھو۔

ملّا نصرالدین نے پوچھا، تمہارے صحن میں دڑبا رکھا ہے، اس میں کتنی مرغیاں ہیں؟

دس مرغیاں۔

ملّا نصرالدین نے کہا، سب کو گھر کے اندر رکھو۔

گھر میں جگہ نہیں ہے، کیسے رکھ لوں؟

بھائی کوشش تو کرو۔

پڑوسی خاموش ہو گیا کہ میں جگہ کی کمی کا کہہ رہا ہوں اور یہ مرغیوں کو دڑبے سے نکال کر کمروں میں رکھنے کی بات کر رہے ہیں۔ مگر یہ مجھے غلط مشورہ کیوں دیں گے ــــ؟ جیسا کہا اس نے ویسا کیا۔

اگلے روز ملّا نصرالدین کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اونچی آواز میں کہا، مسئلہ بگڑ گیا ہے۔ مرغیوں نے الگ جگہ لے لی ہے۔ شور کی وجہ سے گھر بازار لگتا ہے۔ آپ نے کیسا مشورہ دیا ہے؟

ملّا نصرالدین نے کہا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔ جس گدھے پر سوار ہوتے ہو، اسے بھی گھر کے اندر باندھا کرو۔

دوست پیچھے ہٹتے ہوئے بولا، کیا کہہ رہے ہو بھائی؟ گھر ہے، کارخانہ نہیں۔

حل چاہئے تو بات پر عمل کر لو ورنہ اپنی راہ لو۔

پڑوسی اگلے روز آیا۔ نصرالدین صاحب! پہلے میرا مسئلہ سمجھو۔ گھر میں جگہ کی کمی ہے۔ تمہارے مشوروں پر عمل کر کے معاملہ بگڑ گیا ہے اور گھر والے بھی ناراض ہیں۔ صحیح حل تجویز کرو۔

اپنی بکریاں اور دنبے بھی گھر میں باندھ لو۔

اس کے پاس دو بکریاں اور دو دنبے تھے۔

پڑوسی نے ناک بھوں چڑھائی اور کہا، عجیب آدمی ہو۔ میں کہہ رہا ہوں گھر میں آدمیوں کے لئے جگہ کم پڑ گئی ہے اور تم جانوروں سے گھر بھر رہے ہو۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔

ملّا نصرالدین بولے، اعتماد کیا ہے تو مشورے پر عمل کرو۔ کیوں اپنا اور میرا وقت ضائع کرتے ہو۔ میں چلتا ہوں، اللہ حافظ۔

پڑوسی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بھی کر کے دیکھ لیتا ہوں۔ بکریاں اور دنبے گھر کے اندر لے آیا۔

پریشان پڑوسی نے اگلے روز تیزی سے دروازہ بجایا اور کہا، گھر والے بہت پریشان ہو گئے ہیں۔ بیگم بھی باتیں سناتی ہے۔ نہ جانے گدھے کو رات میں کیا نظر آتا ہے کہ ڈھینچو ڈھینچو کرنے لگتا ہے۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا ہے۔ بچے نیند میں ڈر جاتے ہیں۔ بکریاں اور دنبے الگ شور مچاتے ہیں

اوپر سے مرغوں کی ککڑوکوں۔ گھر جنگل بن گیا ہے!

ملّا نصرالدین مسکرائے اور کہا، اب جا کر سارے جانوروں کو صحن میں منتقل کر دو۔

اگلے روز پڑوسی خوشی خوشی آیا۔ بھائی! کمال کر دیا تم نے۔ گھر پُرسکون اور کشادہ ہو گیا۔ ایک ہفتے میں اتنی جگہ کیسے بن گئی سمجھ میں نہیں آتا۔

ملّا نصرالدین کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

بچو! آپ کی سمجھ میں کچھ آیا—؟

قاضی نے ملّا نصرالدین کے معائنے کے لئے ٹیم تشکیل دی جس میں طبیب اور فلسفی شامل تھے۔ سب کو عدالت میں بلایا گیا۔ مقدمہ کیا گیا تھا کہ نصرالدین صاحب لوگوں کو اکساتے ہیں۔

بات یہ تھی کہ وہ گاؤں گاؤں جا کر کہتے تھے نام نہاد عقل مند جاہل ہیں۔ خود کو عقل مند سمجھنے والوں نے اسے توہین سمجھا اور قاضی سے شکایت کی۔

قاضی نے کہا، پہلے آپ بات کریں۔

ملّا نصرالدین بولے، کاغذ اور قلم منگوائیں اور جن ''عقل مند'' لوگوں کو مجھ سے شکایت ہے، کاغذ اور قلم ان کو دے دیں۔

کاغذ اور قلم تقسیم کیے گئے۔

کہا، جو سوال میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب سب کاغذ پر لکھیں۔ سوال یہ ہے کہ روٹی کیا ہے؟

سب نے جواب لکھے۔ کاغذ قاضی کے پاس جمع کروائے۔ قاضی نے بلند آواز سے پڑھا۔

پہلا شخص کہتا ہے کہ روٹی غذا ہے۔

دوسرے نے لکھا ہے کہ یہ آٹا اور پانی ہے۔

تیسرا کہتا ہے کہ اللہ کی طرف سے تحفہ ہے۔

چوتھے نے لکھا ہے کہ پکا ہوا خمیر ہے۔

پانچویں کی رائے میں روٹی تبدیل ہونے والی شے ہے۔ جس شکل میں چاہیں، ڈھال لیں۔

چھٹا فرد سمجھتا ہے کسی کو نہیں معلوم روٹی کیا ہے!

ملّا نصرالدین بولے، قاضی صاحب! جب یہ لوگ فیصلہ کر لیں کہ روٹی کیا ہے پھر ان کو اختیار ہے دوسرے امور کے بارے میں فیصلہ کریں۔ جیسا کہ میں صحیح ہوں یا غلط۔ کیا آپ اہم معاملات میں ان لوگوں کی رائے کو اہمیت دے سکتے ہیں جو اس شے پر متفق نہیں جسے یہ روز کھاتے ہیں—؟

قاضی صاحب نے قہقہہ لگایا۔ مقدمہ خارج ہو گیا۔ سب منہ بنا کر چل دیئے، اور ملّا نصرالدین ہنستے مسکراتے، لوگوں کو ہنساتے اپنے گھر لوٹے۔

شیر، بھالو اور سانپ

وزیرِ خاص سست، خود غرض اور لالچی تھا۔ ذاتی فائدے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ لوگ پریشان تھے لیکن بادشاہ تک شکایت لے جانے سے گھبراتے تھے کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

وزیرِ خاص شکار کا شوقین تھا۔ سست طبیعت کی وجہ سے شکار کے لئے حل یہ نکالا کہ علاقے سے قریب جنگل میں بڑے بڑے گڑھے کھدوائے اور جال بچھا کر انہیں پتّوں سے ڈھانپ دیا۔ جانور گڑھوں میں گر جاتے اور وزیر انہیں مار کر لوگوں کو بتاتا کہ کیا عمدہ شکار کیا ہے!

ایک روز وزیرِ خاص چہل قدمی کے ارادے سے شام کو جنگل کی طرف گیا۔ بے دھیانی میں ادھر سے ادھر پھر رہا تھا کہ ایک جگہ پیر رکھتے ہی دوسرا قدم اٹھانے کی نوبت نہیں آئی۔ دھڑام کی آواز آئی — وہ اس گڑھے کے اندر گر گیا جو اس نے جانوروں کے لئے کھدوایا تھا۔

بچو! ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو گڑھا ہم دوسروں کے لئے کھودتے ہیں، جلد یا بدیر اس میں خود گر جاتے ہیں۔ سوچئے اس کا مطلب کیا ہوا — ؟ گڑھا ہم نے دوسروں کے لئے نہیں، اپنے لئے کھودا تھا۔

وزیرِ خاص جال میں پھنس گیا۔ خود پر سے مٹی اور پتّے ہٹاتے ہوئے جال میں سے نکلنے کی کوشش کی تو محسوس ہوا کوئی دیکھ رہا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے پہلے تو دائیں بائیں کوئی نظر نہیں آیا، اوپر سے ہلکی روشنی آ رہی تھی۔

غور سے آس پاس دیکھا تو قمچے کی طرح گول گول چمکتی ہوئی چیزیں نظر آئیں پھر ان میں آنکھ کے ڈیلوں کی طرح حرکت ہوئی اور وزیر کے اوسان خطا ہو گئے — گڑھے میں وہ اکیلا نہیں تھا — شیر، بھالو اور سانپ اسے دیکھ رہے تھے۔

تینوں جانور وزیر کے گرنے سے پہلے گڑھے میں گرے تھے۔ ان میں سانپ شدید زخمی تھا۔ سانپ کے لئے گڑھے سے نکلنا آسان تھا لیکن جسم پر زخم کی وجہ سے وہ دیوار پر چڑھنے سے قاصر تھا۔

گڑھا گہرا تھا اور مدد کے بغیر نکلنا ممکن نہیں تھا۔ وحشی جانوروں کو دیکھ کر آواز حلق میں رہ گئی اور وہ سر کتے ہوئے ایک کونے میں دبک گیا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ انہوں نے وزیر پر حملہ نہیں کیا۔ شاید اس وقت ان کی ترجیح گڑھے سے نکلنا تھا۔

❦

کچھ دیر بعد آواز آئی۔ معلوم ہوتا تھا کوئی درخت پر کلہاڑی مار رہا ہے۔ مدد کے لئے پکارنا شروع کیا، کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ مجھے باہر نکالو!

لکڑہارا مدد کے لئے پکار سن کر آواز کی سمت میں چلنے لگا اور گڑھے کے قریب پہنچ گیا۔ نیچے دیکھا تو یقین نہیں آیا— گڑھے میں جنگل کا بادشاہ شیر، طاقت ور بھالو، زخمی سانپ اور ایک آدمی تھا۔

لکڑہارے کی حیرت کو وزیر کی آواز نے توڑا۔

بھائی! مجھے یہاں سے نکالو، تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ میں بادشاہ کا خصوصی وزیر ہوں۔

لکڑہارا سمجھ گیا کہ یہی وزیر ہے جو شکار کے لئے گڑھے کھدواتا ہے اور آج خود شکار ہو گیا ہے۔

لکڑہارا بولا، میرے پاس لکڑیاں باندھنے کے لئے رسی ہے لیکن وہ چھوٹی ہے۔ شہر سے بڑی رسی لانا پڑے گی مگر پیسے نہیں ہیں۔

وزیر نے منت کی، اللہ کے بندے! کیوں وقت ضائع کرتے ہو۔ جانوروں کو بھوک لگ گئی تو مجھے کھالیں گے۔ لکڑیاں کاٹنے کے بجائے کلہاڑی بیچ دو اور رقم کی فکر نہیں کرو، یہاں سے نکلتے ہی تمہاری مرضی کا معاوضہ دوں گا۔

❦

لکڑہارے نے کلہاڑی اٹھائی اور شہر کی طرف بھاگا۔ کوشش کی کہ ادھار پر رسی مل جائے تاکہ اسے کلہاڑی بیچنی نہ پڑے لیکن ادھار دینے پر کوئی راضی نہ ہوا۔ مجبوراً کلہاڑی کے بدلے رسی خریدی اور جنگل کی طرف دوڑ لگائی۔

جنگل پہنچ کر رسی کا ایک سرا قریب موجود درخت سے باندھا، اور دوسرا سرا کھائی میں پھینک دیا۔ اس سے پہلے کہ وزیر رسی پکڑتا، شیر نے جھپٹ کر رسی پکڑی اور باہر آ گیا۔

لکڑہارے نے شیر کو باہر آتے دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ شیر اس کے قریب آیا— لکڑہارے کا رنگ سفید ہو گیا اور سانس حلق میں اٹک گیا۔ مگر یہ کیا—؟ شیر نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا اور خوشی سے دم ہلاتا ہوا درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا۔

لکڑہارا دم بخود تھا۔

شیر جا چکا تو جان میں جان آئی اور خوشی ہوئی کہ جانور نے نقصان پہنچانے کے بجائے مدد کرنے پر اس کا شکریہ ادا کیا ہے۔ دل سے جانوروں کا خوف کم ہو گیا۔ نیچے دیکھا تو بھالو وزیر کو پیچھے ہٹاتے ہوئے باہر نکلنے کی کوشش میں تھا۔ جب وہ کافی اوپر چڑھ آیا تو لکڑہارے نے مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ بھالو باہر آ گیا۔ بھالو کی کمر سے سانپ لپٹا ہوا تھا۔

بھالو خوشی سے پھولے نہ سمایا اور لکڑہارے کو گلے سے لگایا پھر وہ بھی شیر کی طرح گھنے درختوں میں غائب ہو گیا۔ سانپ سامنے تھا۔ لکڑہارے نے سنا تھا کہ سانپ کی فطرت میں ڈسنا ہے۔ وہ دور ہو گیا۔ سانپ نے پھن پھیلایا— ہس ہس ہس کی آواز نکالی، تعظیم میں سر جھکایا اور زخمی ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ رینگتا ہوا پتوں میں گم ہو گیا۔

اب وزیر کی باری تھی۔ گڑھے میں جھانک کر دیکھا تو وزیر رسی کی مدد سے آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی گڑھے سے نکل آیا اور کپڑے جھاڑ کر جانے لگا۔

لکڑہارے نے آواز دی، جناب! مجھے کچھ نہیں چاہئے بس کلہاڑی کی رقم دے دیجئے، آپ کی مدد کے لئے بچی تھی، واپس کلہاڑی خرید لوں گا اور رسی بیچ کر بچوں کے لئے کھانا لے جاؤں گا۔

وزیر بولا، ایسا کرو رسی بیچ کر کلہاڑی خرید لو۔

یہ کہہ کر لاپروائی سے محل کا رخ کیا۔

لکڑہارا پریشان ہو گیا۔ وزیر کا ہاتھ پکڑ لیا، حضور میرے بچے بھوکے رہ جائیں گے، کل سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا ہے۔ وزیر نے ہاتھ چھڑا کر دھکا دیا اور کہا، گستاخ! مجھے ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی۔ دفع ہو جا یہاں سے!

وزیر چلا گیا اور لکڑہارا تھکے قدموں مایوس گھر لوٹا۔ وزیر کے رویے سے تکلیف پہنچی تھی۔

خاموشی سے گھر میں داخل ہوا اور بیوی کو ماجرا سنایا۔ بیوی صابرہ خاتون تھی، کہنے لگی، تم نے وزیر سے کھانے کے لئے روپیہ مانگا؟ کیوں بتایا اسے کہ میرے بچے بھوکے ہیں؟ اللہ رازق ہے، اللہ سے مانگتے۔ میں بچوں کو کسی طرح سلا دیتی ہوں۔ کل رسی بیچ کر کلہاڑی خرید لینا۔

اس رات لکڑہارے کے پڑوسی نے پلاؤ پکایا تھا۔ اللہ نے اس کے دل میں خیال ڈالا کہ پلاؤ پڑوسی کے گھر بھی بھیجنا چاہئے۔ اس نے خیال پر عمل کیا۔

اس طرح خالق و مالک اللہ نے لکڑہارے کے کھانے کا انتظام کیا اور بچے بھوکے نہیں سوئے۔

اگلی صبح لکڑہارا کام پر جانے کے لئے نکلا تو دیکھا دس گدھے جن پر راشن لدا ہوا تھا، جھونپڑی کی طرف آرہے تھے۔ حیران ہوا یہ کس کے گدھے ہیں اور جھونپڑی کی طرف کیوں آرہے ہیں؟

گدھوں کا مالک نظر نہیں آیا۔ تھوڑی دیر میں گدھوں کے پیچھے شیر نظر آیا۔ یہ وہی شیر تھا جس کی مدد کی تھی۔ لکڑہارے نے بیگم بچوں کو آواز دی کہ دیکھو جنگل کا بادشاہ شیر آیا ہے۔ خوف کے مارے کوئی گھر سے باہر نہیں آیا۔

گدھے قریب پہنچے تو شیر نے ہلکی آواز نکالی اور گدھے رک گئے۔ پھر شیر آگے آیا، لکڑہارے نے اسے پیار کیا۔ وہ بہت خوش ہوا — سر اور دم ہلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سامان تمہارا ہے۔

پتہ نہیں لکڑہارا اس کی بات کیسے سمجھا۔

شیر سے پوچھا، یہ چوری کا مال تو نہیں ہے؟

شیر نے سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو، نہیں۔

لکڑہارے نے گھر والوں کو آواز دی۔ دیکھو! ہمارا دوست تحفہ لایا ہے۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔

شیر کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ بیوی بچوں نے شیر کو دور سے سلام کیا پھر گدھوں پر لدی ہوئی گٹھڑیاں اتارنے لگے۔ سامان اترنے کے بعد شیر جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔

لکڑہارا نیک آدمی تھا۔ شیر کا لایا ہوا سامان نہ صرف خود استعمال کیا بلکہ پڑوسیوں کی بھی مدد کرتا تھا۔ راشن جتنا استعمال کرتا، کم ہوتا نہ اسے کیڑا لگتا تھا۔ لکڑہارا سمجھ گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے خصوصی انعام ہے لہٰذا مجھے دوسروں کی مدد کرنی چاہئے۔

اس نے گھر پر لنگر کھول دیا۔ مسافر یا بھوکا شخص وہاں سے گزرتا تو اس کی بیوی گرم گرم روٹی توے سے اتار کر انہیں کھانا دیتی تھی۔

بچو! گھر میں کھانے پینے کا سامان ہونے کے باوجود لکڑہارے نے کام پر جانا نہیں چھوڑا۔

ایک روز وہ کام پر جانے والا تھا، دیکھا کہ 12 بھالو بہترین لکڑیوں کے تختے جھونپڑی کے سامنے ترتیب سے رکھ رہے ہیں۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

ایک بھالو جس کے جسم پر کھائی میں گرنے کی وجہ سے چوٹ کے نشان واضح تھے، آگے بڑھا اور

ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا کہ یہ تمہارے لئے ہے۔ پھر سارے بھالو خاموشی سے لوٹ گئے۔

لکڑہارا حیران تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لکڑیاں عمدہ نسل کی تھیں۔ ضرورت کے مطابق لکڑیاں رکھ لیں اور باقی پڑوسیوں میں تقسیم کر دیں۔

اگلے روز وہ لکڑیاں کاٹنے جنگل گیا۔ صنوبر کے درخت کے قریب پہنچ کر کلہاڑی نکالی اور جائزہ لینے لگا کہ کہاں ضرب لگائے۔ اس دوران پتوں میں سرسراہٹ ہوئی اور شاخ پر سانپ جھولتا ہوا نظر آیا۔ کلہاڑی پھینک کر بھاگنے کے لئے قدم اٹھائے تھے کہ سانپ پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا— منہ کھولا، چمک دار شے گری اور سانپ تیزی سے رینگتا ہوا غائب ہو گیا۔

سانپ کے منہ سے گرنے والی چیز چمک دار قیمتی پتھر تھا جس میں سے سرخ کرنیں پھوٹتیں تو پتھر کبھی نیلا ہوتا اور کبھی نارنجی رنگ نمایاں ہو جاتا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ معمولی پتھر نہیں ہے اور یہ وہی سانپ ہے جس کی مدد کی تھی۔

لکڑہارا جوہری کے پاس گیا۔ جوہری نے پتھر دیکھا پھر لکڑہارے کو دیکھا— دوبارہ پتھر کو دیکھا اور پوچھا، یہ تمہیں کہاں سے ملا؟ لکڑہارے نے جواب دینے کے بجائے پتھر کا نام اور تاثیر پوچھی۔

جوہری نے کہا، یہ عام پتھر نہیں ہے۔ اسے پہننے والا— یا جس کی ملکیت میں یہ پتھر ہو، وہ دولت مند بن جاتا ہے، اس کی ذات اپنے اور دوسروں کے لئے خیر بن جاتی ہے۔ سچ بتاؤ پتھر کہاں سے ملا ہے؟ شاید وہاں مزید ایسے پتھر ہوں۔

لکڑہارا بولا، سانپ کے منہ سے گرا ہے۔

یہ کہہ کر پتھر لیا اور گھر آ گیا۔

جوہری سمجھا کہ لکڑہارے نے اسے ٹال دیا ہے۔ ایسا پتھر پہلے نہیں دیکھا تھا۔ دکان پر جو شخص آتا وہ اس سے پتھر کا ذکر کرتا۔ اڑتے اڑتے خبر محل تک پہنچی۔ بادشاہ نے لکڑہارے کو پتھر سمیت طلب کیا۔

وہ گھبرایا ہوا محل میں حاضر ہوا۔

بادشاہ نے پتھر ہتھیلی پر رکھا، الٹ پلٹ کر دیکھا اور پوچھا، کیا عمدہ شے ہے، کہاں سے ملی؟

بادشاہ سلامت! سانپ نے تحفے میں دیا ہے۔

بادشاہ نے بارعب لہجے میں کہا، سانپ نے؟ ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو؟

بادشاہ کو پوری کہانی سنائی کہ کس طرح اس نے

وزیر سمیت دیگر جانوروں کی کھائی سے نکلنے میں مدد کی۔ وزیر نے دھوکا دیا جب کہ جانوروں نے بھلائی کی قدر کی۔

بادشاہ ناراض ہوا کہ وزیرِ خاص نے غریب آدمی سے وعدہ خلافی کی اور برا سلوک کیا۔

وزیرِ خاص کو طلب کیا۔

وہ لکڑہارے کو محل میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

بادشاہ نے کہا، مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی۔ جو آدمی اپنے ہم درد کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے، وہ کسی سے مخلص نہیں ہوسکتا۔

جن لوگوں کے ساتھ وزیر نے ناانصافی کی تھی وہ بھی ہمت کر کے ایک کے بعد ایک سامنے آئے۔

بادشاہ نے وزیرِ خاص کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا، تمہیں قید بامشقت کی سزا سناتا ہوں۔ وزارت کا منصب ایمان دار لکڑہارے کو ملے گا۔ اس کے پاس دولت آئی تو اس نے پڑوسیوں کا خیال رکھا اور دولت ذخیرہ نہیں کی۔ وزیر بادشاہ کے قدموں میں گر کر منتیں کرنے لگا لیکن بادشاہ نے منہ پھیر لیا۔

خادم قریب آئے اور وزیر کو اٹھا کر لے گئے۔

لکڑہارا — بادشاہ کا خاص وزیر بن گیا۔

آؤ کھانا کھائیں

آؤ دسترخوان بچھائیں
مل جل کر سب کھانا کھائیں
بھائی اپنے ہاتھ تو دھولو
کھانے میں بے کار نہ بولو
بسم اللہ جو بھولا کوئی
اس نے ساری برکت کھوئی
دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا
دیکھو بھیا، بھول نہ جانا
چھوٹے چھوٹے لقمے کھانا
ہر لقمے کو خوب چبانا
کھانے میں جو عیب نکالے
کھانے سے وہ ہاتھ اٹھالے
چھین جھپٹ کھانے پر کرنا
کام نہیں اچھے بچوں کا
خوش خوش باہم کھانا اچھا
کچھ بھوکے اٹھ جانا اچھا
کھانا کھا کر اٹھیں جب بھی
حمد کریں ہم اپنے رب کی

(مرسلہ: ام ہانی۔ کراچی)

خواب تعبیر اور مشورہ

نسخۂ کیمیا

اکبر، فیصل آباد۔ گوشت مانگنے پر دکان دار نے چربی خریدنے کا کہا۔ میں نے منع کر دیا کہ مجھے چربی سے گھی بنانا نہیں آتا۔ دکان دار نے طریقہ سکھانے کے لئے چربی زمین پر رکھ کر آگ لگا دی۔ چربی کڑاہی بن گئی، کڑاہی ـــ کڑھاؤ میں بدل کر ہوا میں اٹھا پھر زور سے گہرائی میں گرا۔ آواز سے لگا کہ عمارت گر گئی ہے۔ لوگ شور مچاتے ہوئے بھاگنے لگے۔ میں بھی بھاگ رہا تھا۔ احساس ہوا یہ جگہ صحیح نہیں۔ سامنے عمارتوں کے درمیان میں سے ایک آدمی لٹو کی طرح گھوم کر گرا۔ اس دوران مسجد سے اذان ہوئی۔ میں نے ایک صاحب کی تصحیح بھی کی۔

تعبیر: آپ کو کافی عرصے سے بھوک سے زیادہ اور اور بار بار کھانے کی عادت ہے جس سے گیس زیادہ بننے لگی ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک حکیم صاحب تشریف لائے اور بارگاہ رسالتؐ میں عرض کیا کہ میں مسلمانوں کا علاج کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست قبول ہوئی لیکن کوئی مریض نہیں آیا۔ کچھ عرصے بعد وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کوئی مریض نہیں آتا۔ انہیں بتایا گیا کہ یہاں لوگ صرف بھوک کے وقت کھاتے ہیں اور قبل اس کے کہ پیٹ بھر جائے، ہاتھ روک لیتے ہیں۔ یہ سن کر حکیم صاحب بولے، پھر میری یہاں ضرورت نہیں، اور چلے گئے۔

آپ بھی اس نسخۂ کیمیا پر عمل کیجئے۔

ایک چپ سو کو ہرائے

ن، ن۔ نیند میں لگتا ہے کہ جاگ رہی ہوں۔ پتہ نہیں مجھے خواب آتے ہیں یا سارا دن جو کچھ ہوتا ہے وہی نیند میں دیکھتی ہوں۔

تعبیر: ہم بحیثیت بزرگ بار بار اعلان کرتے ہیں کہ نوجوان نسل کے ذہنوں سے بزرگوں کا احترام اٹھ گیا ہے۔ ان کے اندر وہ اخوت و حیا نہیں رہی جس پر مثالی معاشرہ تعمیر ہوتا ہے۔

یہ بھی دیکھئے کہ ہمارے قول و فعل میں کتنا تضاد واقع ہو چکا ہے۔ ہم منافقانہ زندگی بدلنے کا اختیار ہونے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہیں۔ ہم جو نہیں کرتے، اس کی توقع اولاد سے کیوں رکھتے ہیں ـــ؟

آج اگر ایک باپ جھوٹ کی زندگی میں قید ہے تو اولاد سے کیوں کر توقع کر سکتا ہے کہ وہ سچی اور حق آشنا

زندگی گزارے گا؟ بچے ماں کے پیٹ سے قاتل، چور، ذخیرہ اندوز اور منافق پیدا نہیں ہوتے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کو جو کچھ کرتے دیکھا ہے، ترقی دے کر اسے فن بنا دیا ہے۔

مشورہ: جس بوتل یا مٹکے سے تمام گھر والے پانی پیتے ہیں اس میں ایک دفعہ ''یاودود'' پڑھ کر پھونک مار دیا کریں۔ دعا ہے کہ گھر میں پیار محبت کی فضا قائم ہو جائے، آمین۔

بے ربط مناظر

ندرت، کراچی۔ میرے خواب ادھر ادھر کی باتوں اور بے ربط مناظر پر مشتمل ہیں۔ مہربانی فرما کر ان کی تعبیر بتا دیں۔ میں ایسے خوابوں سے بہت پریشان ہوں۔ ان میں پاکیزگی کی کمی ہے۔

تعبیر۔ نمک کا زیادہ استعمال دماغ کے ان ریشوں کو متاثر کرتا ہے جو کیفیات اور خیالات کو ترتیب دیتے ہیں۔ اس کے اثرات بیداری کی مصروفیت کی وجہ سے دن میں نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ دورانِ خواب نظر آنے والی تصویروں کو یہ اثرات اتنا مسخ کر دیتے ہیں کہ عقل کی حدود پار ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے معین مقداروں سے تخلیق فرمائی ہے۔ ہر شے کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے۔

مشورہ: نمک اعتدال سے استعمال کریں اور کھانا اتنا کھائیں کہ معدے پر بوجھ نہ بنے۔ دن میں کم از کم آٹھ گلاس پانی پئیں۔

تجربہ کار معالج

سلمان، پشاور۔ سوٹ میں ملبوس شخص میرے قریب آ کر گھر والوں سے واقفیت کا اظہار کرتا ہے۔ جب دیکھا کہ میں نے اس کی بات کا اثر قبول نہیں کیا تو متاثر کرنے کے لئے ماورائی علوم کا مظاہرہ کیا۔ سوچتا ہوں کہ اس کی تواضع کروں۔ بیوی سے کہا تو اس نے چائے پیش نہ کرنے کی وجہ بتائی۔

بیگم کو واپس جاتا دیکھ کر وہ شخص پلنگ کے اوپر ہوا میں اٹھا۔ میری بیگم کو اپنے اثر میں لانا چاہتا تھا۔ میں اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنے بزرگوں کو زور زور سے پکارتا ہوں۔ اس شخص کے منہ سے الفاظ کے بجائے لہریں نکل کر بیگم کو گھیرنا چاہتی ہیں۔

میں اسمائے الٰہیہ کا ورد کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کی طرف کرتا ہوں، ایسی لہریں خارج ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں لیکن اس شخص کی لہروں کو واپس اسی کے منہ میں داخل کر دیتی ہیں۔ جنگ کے بعد وہ نیچے گرتا ہے اور کسی جانور کی شکل میں نظر آتا ہے جو زخمی ہے۔ میں مسلسل اسمائے ربانی کا ورد کرتے ہوئے اس پر پتھر پھینکتا ہوں۔ پھر جانور کے اندر سے اس کا بچہ نکل کر بھاگتا ہے لیکن پتھر لگتے ہی مجسمہ بن جاتا ہے۔

وہاں سے چلا تو غریب خاتون اور گھر نظر آیا۔ لگتا ہے میں اور میرے گھر والے یہاں رہائش پذیر ہیں۔ گھر میں سے خاتون باہر آئیں جن کی طرف بیوی کی توجہ

دلائی تو پتہ چلا خاتون صرف مجھے نظر آرہی ہیں۔ پھر خاتون کے شوہر کا جسم مثالی نظر آیا۔ میں اسے نصیحت کرتا ہوں۔ مسکراہٹ سے لگا کہ وہ اچھی حالت میں ہے۔

تعبیر: کوئی بیماری پرورش پارہی ہے۔ چاہے یہ بخار ہو، پرہیز کے ساتھ اس کا علاج دلجمعی سے کیجئے تاکہ پریشانی سے بچا جاسکے۔ لہروں کا دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ بیماری ابھی ظاہر نہیں ہوئی لیکن شروعات ہوچکی ہے۔ وجوہات صفائی کی کمی اور پانی پینے میں احتیاط نہ کرنا ہے۔ کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں استعمال کریں۔ تجربہ کار معالج سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ فی الحال نماز کی پابندی کے علاوہ کوئی ورد اور وظیفہ نہ کیا جائے۔

ماورائی مخلوق

رشید، کراچی۔ بیوی نے خواب میں ایک دوسرے کی طرف منہ کئے ہوئے نلکے دیکھے۔ چلو بنا کر ایک نل سے پانی پیا تو آواز آئی کہ یہ نل ماورائی مخلوق کا ہے جس سے پانی پینے والا بیمار ہوجاتا ہے۔ آواز سننے سے پہلے حلق سے گھونٹ اتر چکا تھا۔ پھر کسی تیسرے نلکے سے پانی بھرنا شروع کیا جو بہت تیز بہہ رہا تھا۔ آواز آئی کہ گھر کے پچھلے حصے میں زنانہ اور ڈرائنگ روم میں مردانہ ماورائی مخلوق کی رہائش ہے۔ بیوی کو صحن میں ایک رنگ کی دو شعاعیں نظر آئیں تو اس کی بہن نے کہا کہ ان روشنیوں سے صحت اچھی ہوگی۔

بیوی نے یہ بات اپنی والدہ سے کہی مگر انہوں نے روشنیوں کو ہاتھ لگانے سے منع کردیا اور کہا، سخت نقصان ہوگا۔ آنکھ کھلی اور میں دوبارہ سوگئی۔ ایک اور خواب دیکھا کہ کسی کمرے میں ناپاک کپڑوں کو یہ سوچ کر وہاں سے لے گئی کہ یہاں اثرات ہیں۔

تعبیر: خاتون خانہ کا نلکے سے پانی پینا، منع ہونا اور آسیب کی موجودگی کا بتانا، پرانی نسوانی بیماری سے متعلق ہے۔ زنانہ و مردانہ ماورائی مخلوق کا گھر کے پچھلے حصے اور ڈرائنگ روم میں ہونا علاج میں کوتاہی اور لاپروائی ظاہر کرتا ہے۔ روشنیوں کو دیکھنا اور ان کے متعلق گفتگو اس طرف راہ نمائی ہے کہ پرہیز کے ساتھ علاج کیا جائے۔ دوسرا خواب پہلے خواب جیسا ہے لیکن علاج اور پرہیز کے انتباہ کے ساتھ۔

سانپ کی ہڈیاں

عامر اورلیس، کینیڈا۔ خواب میں مسہری پر لیٹا ہوں۔ سر کی طرف سے آواز آنے پر دیکھا کہ چمک دار جلد کے حامل تین اژدھوں کے درمیان کوئی سفید چیز ہے۔ میں بیگم سے مشورہ کرتا ہوں کہ کیا کریں۔ فیصلہ کیا کہ اژدھوں کو جانے دیا جائے کیوں کہ حملہ کرنے سے جوابی حملے کا خطرہ تھا۔

تھوڑی دیر میں تینوں اژدھے کسی طرف چل دیئے اور سفید چیز خرگوش تھی جو ان سے الگ ہوگیا۔ ایک اژدھا اچانک ہڈیوں کی صورت میں نظر آیا۔ میں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ہڈیوں میں حرکت ہوئی، وہ میری طرف تیزی سے بڑھیں اور نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔

تعبیر: اژدھا اور ان کے درمیان سفید شے انتشار اور اختلاف کا تمثل ہے جو خاندان میں موجود ہے۔ سفید خرگوش اس فائدے کا تمثل ہے جو اہل خانہ کی طرز فکر کا نتیجہ ہے۔ اژدھے کی ہڈیوں میں تبدیلی اور سفید چیز خرگوش نظر آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان کے لوگ جو بات کہتے یا مشورہ دیتے ہیں، وہ آپ کی رائے کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔

صدقہ ردِّ بلا ہے

وحیدالدین، سانگھڑ۔ خواب میں رات کے دوسرے پہر بھائی اور رشتہ دار کے ساتھ گھر واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی دیہات میں رک گئے۔ ایک مکان میں گئے تو پتہ چلا وہاں کچھ لوگ پہلے سے آرام کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی جگہ مل گئی۔

لیٹنے کے بعد ایک طرف نظر گئی تو دیکھا کہ وہاں مردہ شیر پڑا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیر کے پاؤں میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے اور تھوڑی دیر بعد وہ زندہ ہو گیا۔ لوگ ڈر کے مارے چارپائیوں کے نیچے چھپنے کی کوشش کرنے لگے۔ شیر چند لوگوں کو پکڑ لیتا ہے، میں بھی ان میں شامل ہوں مگر بھائی اور میرا رشتہ دار نہیں ہے۔

شیر ہمیں ایک قلعے کی چھت پر لے گیا۔ اچانک چند آدمی غائب ہو گئے۔ کسی نے کہا کہ سکّہ اچھالنے پر جس کی باری آئے گی وہ شیر کا لقمہ بنے گا۔

ایسا لگا میری باری ہے۔ افسوس ہوا کہ مرنے سے پہلے گھر والوں کو خط لکھ کر کہہ نہیں سکا میں نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ ان سے درخواست کرتا کہ وہ بھی میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر دیں۔ سوچتا ہوں شیر عام طور پر گردن پکڑ کر خون پیتا ہے، پتہ نہیں مجھے کیسے کھائے گا۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم فرمائے۔ خواب میں خبردار کیا گیا ہے کہ صاحبِ خواب اور چند دوستوں کو کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور ہر طرح کے سانحے سے محفوظ رکھے، آمین۔ صدقہ ردِّ بلا ہے، ساتھ ساتھ دعا بھی کیجئے۔

قیمتی پتھر

مظفر شاہ، واہ کینٹ۔ آبائی شہر کی چھوٹی مسجد کے امام کو چند یاقوت رومال میں باندھ کر امانت کے طور پر دیئے۔ یاد نہیں میں کتنی مدت بعد واپس آیا۔ واپسی پر امام صاحب سے یاقوت طلب کئے۔ انہوں نے کہا، انتظار کرو، فرنیچر منگوایا ہے۔

کچھ دیر بعد ایک بڑا ڈبا، چند میزیں، کرسیاں اور الماریاں لائی گئیں جو عمدہ حالت میں تھیں اور میرے قیمتی پتھر ان پر جڑے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اتنے قیمتی سامان کی قیمت کیسے ادا ہوگی۔

امام صاحب نے دل کی بات سمجھ کر اشارہ کیا کہ قیمت ادا نہیں کرنی۔ اس کے بعد خادم کو سارا سامان گدھا گاڑی میں لادنے کا کہا۔ میں نے سامان لے جانے کا ارادہ کیا کہ آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: گھر کے بڑے رہنے کی جگہ بدلنا چاہتے ہیں

مگر درپیش رکاوٹوں کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ آبائی وطن دیکھنا نشانی ہے کہ پریشانی کا سبب موجودہ مکان کو سمجھا جارہا ہے۔امام صاحب گھر کے سرپرست کا تمثل ہیں۔فرنیچر، مسجد اور یاقوت ان خیالات کی شبیہیں ہیں جن کے مطابق خاندان کے بڑے سکونت ترک کرنے کو حالات کی بہتری کا سبب سمجھتے ہیں۔

گھر میں پُرسکون جگہ کا انتخاب کریں اور عشا کی نماز کے بعد اندھیرے میں شمال رخ بیٹھ کر اول آخر درود شریف کے ساتھ 101 مرتبہ سورہ اخلاص پڑھیں اور حالات میں بہتری کے لئے دعا کریں۔

عمل کی مدت 40 روز ہے۔

دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

نام شائع نہ کریں، مسلم آباد۔ٹارچ کی روشنی دیوار پر موجود چھپکلی پر ڈالی، وہ نیچے گر گئی۔قریب جائے بغیر ہاتھ سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

منظر بدلا تو خود کو امید سے دیکھا۔امی، بھابھی اور چچی میری سہیلی کے ڈرائنگ روم میں موجود ہیں جب کہ سہیلی مہمانوں کے لئے کھانا پکانے میں مصروف ہے۔میں نے سہیلی سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔

تعبیر: بیان کی گئی داستان ان تصاویر پر مشتمل ہے جو منتشر خیالی کی ترجمان ہیں۔اس کی وجہ وقت کا

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

ضیاع ہے۔آپ غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرتی ہیں ۔ یاد رکھئے! گیا وقت پھر نہیں آتا۔آدمی وقت کے ہاتھوں ایسا کھلونا ہے جس کی اہمیت ہے اور نقصان بھی۔بچے کے 240 گھنٹے غیب ہوئے تو وہ دس دن کا ہوا۔ ہر دن غیب میں جاتا ہے اور غیب سے ظاہر ہوتا ہے۔نو(9) سال غیب میں جاتے ہیں تو وہ دس سال کا ہو جاتا ہے۔لڑکپن گزرتا ہے، جوانی آتی ہے۔جوانی گزرتے ہی ہڈیوں کے ساتھ اعصاب کی طاقت کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ زندگی کا اعمال نامہ لئے وہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔آپ کیا سمجھے کہ زندگی میں کھانے، پینے اور سر پر بوجھ اٹھانے کے بعد وہ کیا لے گیا، آیا تو بدن پر کیا تھا اور گیا تو کیا لے گیا؟

قرآن کریم ترجمے سے پڑھیں اور معنی و مفہوم پر غور کریں۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو زیادہ سے زیادہ یاحی یاقیوم کا ورد کریں ۔ رات کو سونے سے پہلے سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمتوں سے نوازا ہے، اللہ کا شکر ادا کریں۔

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

فرق اتنا ہے کہ .....

انسان صرف اس زمین پر آباد نہیں ہے ۔ لاشمار سیاروں میں انسانوں کی آبادیاں ہیں اور ہر سیارے میں زمین ہے۔ دوسرے سیاروں کی زمین پر زندگی کی طرزیں مختلف ہیں لیکن تقاضے سب کے یکساں ہیں۔ جس طرح زمین پر آباد انسان کے اندر خواب اور بیداری کے حواس کام کرتے ہیں بالکل اسی طرح دوسرے لاشمار سیاروں میں آباد انسانوں میں بھی بیداری اور خواب کے حواس کام کرتے ہیں۔

خواب کے حواس ہوں یا بیداری کے حواس، دونوں کے تقاضے یکساں ہوتے ہیں۔فرق اتنا ہے کہ بیداری میں حواس زمان و مکان کے پابند ہوتے ہیں اور خواب میں حواس زمان و مکان کے پابند نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خواب میں کئے ہوئے اعمال یا دیکھے ہوئے واقعات میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکتا کیوں کہ اسے بیداری کے ایسے حواس میں زندگی گزارنے کی عادت پڑ جاتی ہے جہاں وہ ہر قدم پر پابند ہے۔

er section which includes crust and upper part of the mantle, lithosphere. It goes upto 70 km. After this is asthenosphere, where rocks have melted due to radioactive energy. This layer goes upto 200 km. After weaker sections comes middle earth's area. Here, despite great temperature, pressure is so much that rocks and elements exist in solid form. Inside the middle section is earth's core which is made of iron along with cobalt and nickel. These elements are in liquid state but are very dense whereas core is solid.

Despite the fact that geologists have explored the outer section, no one has yet reached mantle. The scientists draw conclusions about the inner layers of earth by measuring seismic waves. These waves are caused by the movement of rocks inside earth. Sometimes, transformations under the inner crust create enormous energy there. When this energy or pressure becomes intolerable for rocks around, it comes out of the weaker sections of crust with an explosion.

Volcanic earthquakes are caused by sudden eruption out of boiling magma. Hot magma creates a semi circular mound around the mouth of a volcano. It, in fact, is steam that pushes all the material and gasses out of the earth. This material includes molten iron and carbon dioxide.

Steam is used from micro level to heavy level control. Steam is also used as mechanical energy and also for skin health.

Readers are requested to form discussion groups to exchange views on the control power of steam and fluid dynamics and inform Qalandar Shaoor of the results of their research.

According to spiritual scientists, after every 10,000 years certain transformations take place on earth leading to displacement of sea waters and appearance of earth where once water ruled and inundation of areas which were once dry.

The experts have investigated snow collected from the two poles. They have collected 160,000 specimens of carbon dioxide, nitrogen and oxygen compounds as well as sulphur and oxygen gasses. Investigations show that after every 10,000 years the amounts of these gasses reach its ultimate level in the air and, after which these levels begin to taper off. This cycle is repeated after every 10,000 years. These gasses are emitted into air from industries. When industrial development was almost nothing or in other word man was in Stone Age, the amount of these gasses in air was very low but with industrial development their proportion increased.

To be continued...

---

believe?" (Quran, 7:185)

"Earth rotates around its orbit and revolves around sun along the lines created by Ishwar. Earth raises various fruits and animals and regularly rotates and never crosses limit." (Rig veda)

At the inception of this article is indicated an important element in the evolution of this universe i.e. rotation. The above references from scriptures clearly indicate that elements are connected with universe through a system. Any defect or any unpleasant incident in the system imbalances the whole system.

The Boxing day storm in the Indian ocean points to such an imbalance. In the last few decades, increasing frequency of natural disasters highlight that other living volcanoes have become even more active. Those considered dead are coming back to life. This happened in Iceland where a dead volcano began to emit ash. The cloud of ash darkened the skies of Europe so much as the air flights had to be cancelled across the continent for weeks.

Earth is made of several layers as indicated in figure 8. Humans populate the upper skin of outer crust. The width of crust is not more than a paper stuck at the surface of a football. The thickness of earth on land is around 50 km and in oceans, 5 km. On land, surface is made of Basalt and in oceans, of graphite. There is a

Figure 8

Layers of the Earth

mantle under the crust which is 2900 km thick. Earth's 82% volume is made of this. Mantle surrounds a core which has three parts: outer core, inner core and heart.

Outer core is 2200 km deep whereas inner core is 1270 km deep. Two natural phenomena and temperature impact on the layers of earth. Temperature is the process that either softens rocks or melts them. A great section inside land has become white in colour due to high temperature. This part is heated by energy produced by radioactive elements in rocks.

Temperature is around 3000 degree centigrade at earth core whereas temperature between crust and mantle is 375 centigrade. This process solidifies the rocks. The deeper one goes, the greater would be the pressure of outer layers. Rocks which appear solid on surface are soft inside earth. Geologists call out-

Reality and Materialism

Volcanic earthquakes are caused by sudden eruption out of boiling magma. Hot magma creates a semi circular mound around the mouth of a volcano. It, in fact, is steam that pushes all the material and gasses out of the earth.

Intellectuals tell us that all human beings are connected with each other. This ideology is celebrated in various countries on "Adam's Day". On this day, seminars and meetings are held around the world. Individuals cannot be separated from the nation. Individual fear and pain permeate through nations. The activities of such nations are not merely disastrous for themselves but also for neighbours and the whole world. All religions and scriptures inform of a great sea storm that had destroyed the whole world. The deluge that followed effaced off human civilisation from earth.

Throwing light on Noah's deluge, Mr. Azeemi says:

During the time of Noah's deluge, human beings had started interfering into natural laws much like the modern scientists. Resultantly, they were deprived of satisfaction and tranquility. Selfishness became common. Clever people started using men as an instrument to collect material wealth. Strife and conflict became common too, ironically, in the name of peace and security. Diseases also became very common.

According to the concept of neutral thinking, all the members of this universe are connected with each other. If strife ridden humanity is active, how is it possible that all those elements and phenomena which are members of this cycle remain unaffected and do not react? Their reaction is manifested in the situation of the world today which is not different from the situation before Noah's deluge.

Then as now, no one paid attention to the pains of earth.

Today, earth wants to cleanse itself of strife and conflict, greed and selfishness as well as obsession with materialism.

Divine scriptures are a source of laws functioning in Universe. People conversant with the concept of neutral thinking could find useful references in the scriptures. Contrary to traditional science, formulas described in these books do not change. In the last book, God said:

"Have they not considered the dominion of the heavens and the earth, and what things God hath created, and that it may be that their own term draweth nigh? In what fact after this will they

iii

death, and living one's life, are also different shades of colours and each colour represents a frequency. Each colour plays a specific role through its frequency. Some frequencies are harnessed to create fruits. Other frequencies create fragrances, and yet some bring about a transformation in people.

An imbalance in the proportion of colours in a person creates mental and physical issues in them. For instance, the lack of the colour blue in a person's aura would signify that the person is mentally weak. This is because the colour blue is the colour of the subconscious mind. Blue is responsible for ensuring that the conscious mind is interpreting the messages of inspirations of the subconscious mind accurately. It checks if the conscious mind is over reading into the inspiration sent by the subconscious, or if it is unable to interpret the message altogether. Both states of the mind signify an imbalance and it suggests that the person may be out of focus and emotionally weak. Such a person is prescribed blue light meditation and also given blue oil therapy. When the eyes of said person reflect the color blue repeatedly, their mind will spring back into a balanced state. Colours can be introduced into one's system by way of including similar coloured fruits or petals of flowers into their regular diet."

But the effects of colour are more than just about physical and mental health. The Spiritual Scholar continues, "Man names what his sight can perceive, as colour. When we see in space, the sight reflects back upon the screen of our mind and creates an impression which we conceive as sky blue. After a downpour of rain, when the atmosphere is clear of dirt and smoke, the rays of the sky blue colour change their hue according to their positions. Here 'position' means atmosphere, which man terms as high, low, down, vast, near or far from Earth. This makes the blue colour deep or light."

Therefore, colour can signify the bubble of illusory existence. Beyond colours is a world of light where everything and everyone is one. This brings us to the story of the tree of paradise. Just when you think the tree is green, it glows and changes into a different colour, and just before you change your mind, it has changed colour again. This constant change of mind created doubt, resulting in humans being ousted from paradise. Could we then say that our eyes are still trapped in the illusion of the tree? Could we say that our eyes have not lost the impression or memory of frequently changing colours and hence we are unable to escape the grip of this colourful world?

May the dream of every eye enticed by the illusion of colour be able to return to the zone of Divine light where it truly belongs.

***

for the common belief in the people of China that the red colour signifies luck, and till date, they continue to wear red, shake rattles and light firecrackers to create a lot of noise during the Chinese New Year. They do it to drive all the naughty people away, just in case Nian is still around them.

This folklore from China signifies the influence of colour on the human mind and wellbeing. It is interesting to note that everything is created from *Noor* (a stage of Divine Light). In that case, what is colour? As per the teachings of the Spiritual Scholar, Khwaja Shams al-Din Azeemi, *Noor* is the unseen aspect, and colour is the manifested form of every single creation. When one focuses on a bright stream of light, they are unable to differentiate between the particles of light and are not able to tell one from the other. They all seem to be alike. But when one lets light reflect, then they are able to see it as beams of varied colours and these colors form shapes that we go on to identify as various objects and species. This can be illustrated through the example of a prism.

If you notice a beam of light entering a prism, when it moves out of the prism it projects as various colours. Could we not say that the beam of light is the *Noor*, and when it passes through the prism – it beams out as innumerable colours, making this entire manifested world colourful?

We have noticed through generations that traditions and cultures have upheld certain colours as auspicious or positive, and certain others as representatives of evil or negativity. For instance, while the colour white is part of the bridal attire in the followers of a certain faith, white represents funerals and mourning in another. Red is an auspicious colour for the people of China, but in countries in Africa, it is considered a colour of mourning, symbolling the martyrs who laid their life down for the freedom of their countries.

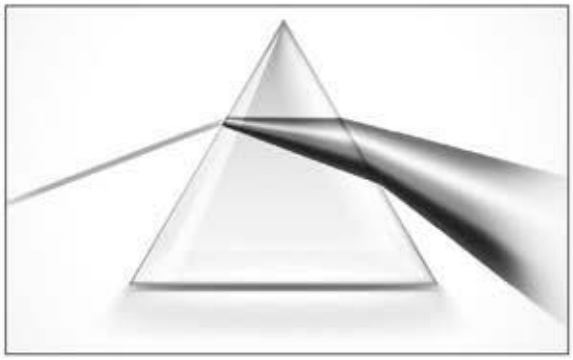

Colour is also known to have therapeutic value and is used widely through the method of colour therapy.

The Spiritual Scholar Mr. Azeemi, who has mastered the art of healing through colours has presented through innumerable publications how colour has its effect on our mental and physical health. He is known to have healed millions through the prescriptions of colour therapy.

He says, "God Almighty has declared that all creations are made up of colours. There is nothing in this universe that has been created colourless. Remaining happy or sad, events of birth and

Colours

We have noticed through generations that traditions and cultures have upheld certain colours as auspicious or positive, and certain others as representatives of evil or negativity.

The practice of celebrating the Chinese New Year started many thousands of years ago. It is still carried out now amongst Chinese nationals. This day is for enjoying the company of one's friends and family. The Chinese tradition also includes the ceremony of remembering one's ancestors. They enjoy a feast and gift one another lucky money in 'Red Envelopes'. There are many stories associated with the Chinese New Year, but amongst all, this is the most popular one.

A long time ago, there was a naughty boy named Nian. He loved to visit a little village in China and scare all those who he met on the way. He thought this was entertaining and fun. He often visited the village during the beginning of each new-year so that everyone would remember his presence. He would patiently wait for the whole year to go by and then come back again to scare people, during the following new-year.

The villagers were very upset and fearful of him. One such year, one amongst the villagers was wearing a red tunic and walking through the village and Nian jumped out from the bushes to scare him. Seeing the red tunic, Nian got scared himself and began to run away. The villager was so startled that he dropped the heavy metal bucket that he was carrying. The bucket bounced and rolled down the hill and began to chase Nian who was also running downhill. As the bucket was made of metal, it made loud jarring sounds as it hit the rocks on its path. Nian, who was now really scared, began to run even faster, whilst keeping a constant watch over his shoulder.

The villager having seen all of this, ran back to tell the whole village about what had happened. The man told them that the red tunic he had worn had scared Nian and also that the noise of the rolling bucket had driven Nian away. The villagers were now prepared to face Nian for the next new-year. They prepared red tunics and metal plates all through the year. They also put up red banners and flags everywhere in the village. They created metal rattles and when the new-year came, they began to wave their red flags, banners and tunics and made loud sound with the rattles and metal plates. Nian saw this from afar and ran away. The villagers never saw him again.

This folklore became the cause

Honesty and Integrity

Gulhane and Talha loved eating potato chips in the evening. Their *Nani Jaan* (maternal grandmother) knew this very well, which is why she always gave them 5 rupees each everyday so that they could go and get some for themselves. The potato chips were 3 rupees each and so both Gulhane and Talha got 2 rupees back from their purchase.

One day, when the man selling potato chips came by on his stall playing his familiar tune, Gulhane and Talha rushed to get chips. After getting two potato chips, the uncle gave them 10 rupees back. Talha was very happy because not only did he get his chips, he also gained extra money! He told Gulhane that he would buy extra chips for himself tomorrow as he had more money now. However, Gulhane did not feel right about this and was quick to remember something her *Nana Abbu* (maternal grandfather) had taught them earlier:

"The Prophet Muhammad (PBUH) said, 'The one who cheats is not amongst us.'"

Gulhane felt like they were cheating the uncle who sold them chips, as this act was equivalent to dishonesty. She told Talha how she felt and Talha felt guilty for his thoughts. He ran back to the uncle and informed him that he had given them extra money. The uncle was very happy with their honesty. He told them that it was very hard to find such honesty in people these days, but children are filled with positivity and integrity because they have pure hearts.

Gulhane and Talha's *Nana Abbu* saw them standing and chatting to the uncle and came to see if everything was alright. The uncle praised him for the upbringing of his grand-children and told the story of their honesty. He also gave them an extra packet of potato chips for free! Their *Nana Abbu* was very proud and was beaming when he returned home with the children. He reminded Gulhane and Talha of the importance of the lesson they had learnt that day. He said "Honesty always has its price, children. If you don't get it now, then you will get in your afterlife. Honesty is the base of religion and so I always urge you to remain honest and full of integrity whenever you get a chance, as God loves those who remain truthful."

Gulhane and Talha shared this important lesson with their friends and classmates, and made their family proud.

Ramsha Shahid (UAE)

blossom.

3. It is okay for the child to use hands, sticks, cotton, leaves, shells and other items, instead of the expensive paintbrush you may have lined up for them. This brings the child closer to nature and they are able to see art in everything around them.
4. Ask encouraging questions like, "I love the colour you have used, why did you choose this colour?" Or say, "I like what you have made, explain what it means to me." Once you have asked, listen very attentively. You will understand your child best through this narrative.
5. Do not draw with your child. It is better to let your child learn to walk their own steps alone. Your idealism will be the biggest set back to their experiments.
6. It is ok to leave art incomplete. It is important to let the child know that imperfection is perfect.
7. To become an artist, interest is needed more than talent. Encourage your child on what they can make and not what you think is the best version of art.
8. Try to build stories and weave memories into the child's art. You will create happy childhood memories within them.
9. Patience is key. Do not pressurise them to finish their art or creative project with timelines. Let the child take their own time.
10. Do not impose art mediums that are trending. Tap into your child's gifts and nurture them. Whatever they may be, it is your child's creative signature.
11. Art can be an inexpensive hobby. All it takes is a creative mind that thinks out of the box. Encourage children to see opportunities for art in everything around them.
12. Visit local museums, art galleries, festivals, exhibits and local artists to encourage the creative thinking ability in your child.
13. Create a wall of art and hang up every single creation your child makes. This will make them self-confident and feel valued.

"All children are artists, the problem is how to remain an artist once you grow up."

– Pablo Picasso

To completely trust in God is to be like a child who knows deeply that even if he does not call for the mother, the mother is totally aware of his condition and is looking after him.

– Imam Ghazali (RA)

iii

with wobbly a 'I love you' written on them. No matter what, you will find one or two of these precious artworks stacked away by parents as a precious memory. It is funny how parents manage to identify themselves in the circle and triangle figures children draw to represent them. In fact, people see themselves in hand drawn art more than a perfectly taken photograph by a professional photographer.

Art, especially drawing, is known to be one of the foremost methods through which a child learns to express itself creatively. It acts as a catalyst in improving their intellectual, emotional and interactive abilities. Their drawings reflect how they see the world, and the ideas that are nurturing in their minds. It is a medium through which children reveal their ideas and intentions, which can be really helpful for parents and teachers to use when assessing their inclinations.

Besides, the process of creating a piece of art, let's say, giving a material form to one's emotions, ideas over a canvas, sharpens creative thinking and hones problem-solving abilities, which eventually helps society at large.

While some children take to creative ability naturally, others may show slight hesitation in taking to art.

Here are a few tips on how you can nurture your child's creative abilities. It is our duty as parents to find the seed of creativity and grow it to mighty heights in our children. Balancing education and art will have perfectly balanced left and right brains.

1. Set up a space where you will not reprimand your child for the mess. Be prepared for messy times. Allow your hands to get dirty. Mess means your child is not afraid of making mistakes and inventions.
2. Do not try to correct the child or give instructions. There is no perfect rainbow, sun or moon. Encourage them to draw abstracts. What they draw, the colours they choose, talk about deeper aspects of their personality. Let it

ii

the year 2019 show that after adjusting for inflation, art funding throughout the years has decreased by 43.4 percent.

A child has an inbuilt ability to imagine and see beyond what an adult's conditioned mind can. They see birds in the shadows that fall on the walls, find animals and faces in the clouds and leaves, angels in fallen feathers, diamonds in broken pieces of glass and so on. A child's drawing is a summary of their thoughts, feelings and state of mind. The field of metaphor therapy has a branch of study called drawing analysis wherein child psychologists can diagnose a child's state of being by 'reading' their drawing. The creative brain of a child must always be watered, nurtured and grown like a seed that has the potential of becoming a mighty tree, because art is the most powerful form of human expression.

Art is not just for the creative genius. Not all of us can be a child prodigy or be acclaimed world wide, but if every child is given an environment of motivation and support, we can surely bring out the artist within him or her. If you ever meet a child who is engrossed in creating a masterpiece, be it at the age of two or ten and ask them what it is that they are making, they will usually reply with, "I don't know." This is because most children are drawing or creating art directly from their subconscious existence. Art is not planned or strategised.

There are many benefits from art. It makes children masters of the present moment. It brings them into the now and helps them focus away from all that distracts and stresses them.

Children are also massive 'feelers'. They feel everything. Giving them glitter, paints, textures, clay to mould etc. helps them to connect and feel easily, and this becomes their first dabble into the field of science. As kids maneuver their paint brushes, their fine motor skills improve. By counting pieces and colours, and making shapes and forms, they learn the basics of math. Most important perhaps, is that children feel good while they are creating and art helps boost self-confidence.

Children who are able to experiment and make mistakes feel free to invent new ways of thinking. Moreover, as most children create art in the moment, they are not interested in the result or focused on finishing the project. This method of thinking creates a stress-free individual who enjoys what they do without being focused on the outcomes of their efforts. This is why children remain happy creating and do not fret like most adults.

Early childhood arts and cultural activities can significantly strengthen the parent-child relationship and engage families in their children's learning. Most parents will agree that their prized possession is the hand made cards

The Little Artists

A child has an inbuilt ability to imagine and see beyond what an adult's conditioned mind can. They see birds in the shadows that fall on the walls, find animals and faces in the clouds and leaves, angels in fallen feathers, diamonds in broken pieces of glass and so on.

This cosmos is a creative masterpiece and man, who is a micro cosmos is no less creative by nature. When one is a child, one lives in a world that is a large canvas full of colours with imaginary faces in the clouds. But as one grows older, most of us believe that being creative and having an artistic ability is reserved for a privileged few. This deep-rooted belief leaves most of our creative potential untapped within us.

As a child, one's fingers produce curves and strokes without worry of perfection. A child can create a painting anywhere as long as they find colour on their fingertips. You will be surprised how the freshly painted walls become their canvas while the red and green curries you cooked for lunch became their paint.

Sometimes, your favourite white bedspread became the canvas while hair oil and cosmetics lined up on the dressing drawer became paints. And when you look into the bathroom, the mirrors turned into canvas and your toothpaste had already been squeezed out along with the shaving cream as paints. They have even carved sculptures by scooping out a chunk of the freshly kneaded dough set aside to make bread for breakfast.

Why did these creative artists within most of us fade? These sporadic and spontaneous creative expressions tend to fade as we grow older because of the insecurity and fear that is fed into us. The most common question asked or exclamation said when a child is caught in his creative moment is, "What are you doing? What have you done? You have created such a mess! Why are you wasting your time?" These tones of reprimand, disapproval, and unhappiness distance the child from their creative nature.

As the child grows up, they are further discouraged from making art their main interest as it is commonly believed that one must have art as a hobby, as artists live a reputation of being erratic in nature and not having means of a steady income. The desire to afford a stable and secure life takes over and in time, most of our ability to think out of the box dries out.

The latest survey of teachers and arts organisations suggest that in the past decade, there is a shocking decline in arts education received by the children in primary school. What's even more alarming is that recent reports for

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

hath assigned unto you ears and eyes and hearts. Small thanks give ye!" (Quran, 67:23)

Command of My Lord:

"They will ask thee concerning the Spirit. Say: The Spirit is by command of my Lord, and of knowledge ye have been vouchsafed but little." (Quran, 17:85)

Clear Sign:

"Little knowledge of the soul is given." The knowledge which is referred to here, of which little has been communicated, is the knowledge of God, and all His knowledge is limitless. Even the little part of limitless is limitless. This means the little knowledge of the soul is tiny in comparison to the knowledge of God. It does not mean that God has not taught the knowledge of the soul. *The soul is by command of my Lord and verily, when He intends a thing, His Command is, "Be," and it becomes.*

Human beings were not worthy of being mentioned, but God breathed His soul into them. God mentions the same to Prophet Jesus (PBUH). Hence when he fashioned an animal out of clay by God's order, that is, with God's approval and by using the knowledge bestowed by God, and breathed into it, it became a living animal by the Will of God. In other words, when Prophet Jesus (PBUH) made bodies from elements and water, and blew on them, the once clay birds would fly away; and the blind and the lepers were cured.

(Last Episode)

A Selfless Man

Long time ago, a king had a big rock placed on the middle of the road and then hid himself in the bushes. He awaited to see if there was anyone who would move the rock from the road and place it on the sideways. Wealthy courtiers, viziers, merchants, and even lay men arrived and passed by the rock.

Some of them blamed the King for not being competent enough to even keep the roads clear, but they did nothing themselves to push it off the road.

A while later, a farmer arrived at the spot, pushing his cart of vegetables. When he reached the rock, he parked his cart onto one side of the road, and tried to push the rock out of the way. After much sweating, he finally managed to remove the rock.

As he moved the rock, in the space under it, he saw a purse stamped with the seal of the king. It was filled with gold coins and along with it was a note from the king stating thus,

"These gold coins are for that person who will be considerate enough to remove the rock off the street."

into him of His spirit; and appointed for you hearing and sight and hearts." (Quran, 32:7-9)

"We created (them) out of a sticky clay." (Quran, 37:11)

"When thy Lord said unto the angels: lo! I am about to create a mortal out of mire. And when I have fashioned him and breathed into him of My spirit, then fall down before him prostrate." (Quran, 38:71-72)

"He created man of clay like the potter's." (Quran, 55:14)

"Lo! the likeness of Jesus with God is as the likeness of Adam. He created him of dust, then He said unto him: Be! and he is." (Quran, 3:59)

"He said: Shall I fall prostrate before that which Thou hast created of clay?" (Quran, 17:61)

"And his comrade, while he disputed with him, exclaimed: Disbelievest thou in Him Who created thee of dust, then of a drop (of seed), and then fashioned thee a man?" (Quran, 18:37)

"O mankind! if ye are in doubt concerning the Resurrection, then lo! We have created you from dust." (Quran, 22:5)

"God created you from dust." (Quran, 35:11)

"He it is Who created you from dust." (Quran, 40:67)

"Verily We created man of potter's clay of black mud altered." (Quran, 15:26)

"And when thy Lord said unto the angels: Lo! I am creating a mortal out of potter's clay of black mud altered." (Quran, 15:28)

"He (Iblis) said: Why should I prostrate myself unto a mortal whom Thou hast created out of potter's clay of black mud altered?" (Quran, 15: 33)

"And He it is Who hath created man from water, and hath appointed for him kindred by blood and kindred by marriage; for thy Lord is ever Powerful."

(Quran, 25:54)

Flesh on bones:

"Then placed him as a drop (of seed) in a safe lodging; Then fashioned We the drop a clot, then fashioned We the clot a little lump, then fashioned We the little lump bones, then clothed the bones with flesh, and then produced it another creation. So blessed be God, the Best of Creators!" (Quran, 23:13-14)

"God created you from dust, then from a little fluid, then He made you pairs." (Quran, 35:11)

"He it is Who created you from dust, then from a drop (of seed) then from a clot, then bringeth you forth as a child, then (ordaineth) that ye attain full strength and afterward that ye become old men." (Quran, 40:67)

"Lo! We create man from a drop of thickened fluid to test him; so We make him hearing, knowing." (Quran, 76:2)

"Say (unto them, O Muhammad): He it is Who gave you being, and

leave. And I announce unto you what ye eat and what ye store up in your houses. Lo! herein verily is a portent for you, if ye are to be believers. And (I come) confirming that which was before me of the Torah, and to make lawful some of that which was forbidden unto you. I come unto you with a sign from your Lord, so keep your duty to God and obey me. Lo! God is my Lord and your Lord, so worship Him. That is a straight path." (Quran, 3:48-51)

Four Streams:

Those who are aware of the workings in the administrative system of God – the knowers of the Unseen – say that every creature in the world has two bodies.:

1. A Physical body

2. A body made of lights and *Noor*

The compound waves, intertwined like warp and weft, are being fed by light continuously, and this very light produces movement in the physical organs. The movements of light and *Noor* are in fact the life of the physical body. Death occurs if the flow of light is not transferred to the physical organs. There are four streams in place to maintain the flow of light, and also the divine light which continuously descend from *Hijab-e-Mehmood*, Hijab-e-Azmat*, Hijab-e-Kibriya* and Arsh**.

"How disbelieve ye in God when ye were dead and He gave life to you! Then he will give you death, then life again, and then unto Him ye will return."

(Quran, 2:28)

"He bringeth forth the living from the dead, and is the bringer forth of the dead from the living." (Quran, 6:95)

Every being is made of two facets; male and female. As per the principle of creation, everything has two facets and every facet has separate two facets. Both facets have a cell that cause the formation of gender and sexual attraction. A creation manifests when the cells of a man embrace the cells of a woman and absorb into each other.

In the story of Prophet Jesus (PBUH), God has described the formula of creation. The life of a human being is dependent upon a soul. The body of clay remains intact until the soul is within a person, but when the soul leaves, the body of clay does not remain. The sense only became active in Adam when God blew His soul into him.

"Verily We created man from a product of wet earth."

(Quran, 23:12)

"Who made all things good which He created, and He began the creation of man from clay; Then He made his seed from a draught of despised fluid. Then He fashioned him and breathed

*Names of different zones in the universe.

ii

one can embrace with their eyes as well. Remember! Life evolves from a life and life is absorbed in a life."

Hazrat Taj al-Din Baba (RA) said, "A leaf becomes a living insect when it embraces my life." In this, the formula of cloning has been described.

As per science, knowledge is divided into three major units.

1. Physics
2. Psychology
3. Parapsychology

Physics (matter), Psychology (consciousness) and Parapsychology (subconsciousness). Science has discovered that every element, regardless of its size, has a cover of light around it, which is known as Aura.

The Knowledge to Bring Something to Life:

Upon every entity there is a web made of primary or compound lights. The occurrence of death is when the *Jism-e-Misali* (web of light) disassociates itself from the physical body. Every entity is encircled by another body, and this body is being fed by light or *Noor* (cosmic rays). Researchers have not yet found the source of these cosmic rays. Inventions take place only when we gain knowledge about something.

What is the *Jism-e-Misali*, or the body of light?

After acquiring complete knowledge of *Jism-e-Misali*, one can re-encircle it upon a dead body with the authority bestowed by God. God taught this knowledge to Prophet Jesus (PBUH). A base is provided for light when something is made out of elements.

Prophet Jesus (PBUH) used to cover objects made out of elements such as sparrows, bats, or a dead body, with the web of light. With the Will of God, as soon as *Noor* spread within the web of light, the dead body would come back to life.

It is a law that when any creature dies, the *Noor* in the web of light disassociates itself from the physical body. As a result, life leaves the physical body.

God bestowed Prophet Jesus (PBUH) with the knowledge and authority to transfer a soul into a dead body, and bring it back to life. When he encapsulated a sparrow made of soil and water in a body of compound waves (web of light), life would flow into the sparrow, and it would fly away.

"And He will teach him the Scripture and wisdom, and the Torah and the Gospel. And will make him a messenger unto the Children of Israel, (saying): Lo! I come unto you with a sign from your Lord. Lo! I fashion for you out of clay the likeness of a bird, and I breathe into it and it is a bird, by God's leave. I heal him who was born blind, and the leper, and I raise the dead, by God's

Prophet Jesus (PBUH)

God bestowed Prophet Jesus (PBUH) with the knowledge and authority to transfer a soul into a dead body, and bring it back to life. When he encapsulated a sparrow made of soil and water in a body of compound waves (web of light), life would flow into the sparrow...

Every piece of knowledge has two aspects – apparent and unseen. Knowledge is like a sheet of paper, and each sheet has two pages. The departments of *Ilm-e-Huzoori* (knowledge that is transferred spiritually) are also like two pages. The first page is a reflection of *Tajalli* (a stage of divine light) and the second has secrets and reasons imprinted on it. On the third page, there is an explanation of the secrets. The fourth page has prints of the universe, the fifth page is comprised of the record of Commands, and finally, the sixth page contains details of the actions.

The whole universe is contained in three sheets including *Tajalli**, *Loh-e-Mahfoz**, *Arsh-o-Kursi**, *Alam-e-Arwah**, heavens*, *Barzakh**, this world, the hereafter*, the last day*, judgement day*, Heaven and Hell, *Abd**, and *Abd-al-Abad**. When God transfers the knowledge contained on these sheets to someone, they become a prized person as per the command of God.

Cloning:

Hazrat Taj al-Din Baba (RA) is a person who is close to God and belongs to the ranks of Hazrat Khizr (PBUH), who has responsibilities in the administrative system of God. The grandson of Hazrat Taj al-Din Baba Nagpuri (RA), Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) says, "The eyes of Nana Taj al-Din (RA) used to be half open in a state of deep contemplation. Hayat Khan would watch those eyes quite enthusiastically. Once in deep contemplation, Hayat Khan said to Maharaja Ragho Rao, 'Look at this leaf.' Maharaja saw that a face, legs and small eyes were appearing from the leaf roughly three inches long. Suddenly, I saw a leaf adjacent to it. Similar changes were taking place in that leaf. In a couple of minutes, the leaves were completely transformed so that they no longer appeared as leaves. They were walking towards the stem, and the eyes of Nana (RA) were concentrated on them."

When Nana (RA) was requested to interpret what had happened, he said, "All aspects of life are attached to a tree. Seeing, listening, understanding, movement – all these aspects become visible when one looks into the inner of the tree. Each leaf actually has a mouth, hands and legs. The only difference is that ordinary people cannot see this aspect until a leaf interacts with another life. A leaf becomes a living insect when it embraces my life. Consider that

night vigilance."

Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) says, "People go to worldly people and behave humbly. However, they are fools. They go before the friends of God with arrogance. In actuality, the friends of God are the ones who possess the traits of the Sultan."

He has used *Kargas* (a vulture) as a metaphor for the material world. He says, "I am a Royal falcon and have become exuberant due to the love of the King. Because of True love, the qualities of a vulture have disappeared from within me, and the traits of a falcon have taken over me. After drowning in the True Love, I have refrained from eating the dead."

He further says, "No one would find guidance if God did not create its means. Love and passion begin to rise within when God blesses one. Therefore, no one should feel proud over their state. As love and ecstasy are a blessing."

❋ ❋ ❋

Hazrat Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) said, "God's friends do not expose many of His secrets as people with shallow thinking cannot understand them. However, unintentionally, sometimes they express them so that people may sense some of the fragrance of that realm."

How should one travel on the path of spirituality? Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) says,

"Pave way in the inner to reach God. Get rid of everything that shows you anything but God. The heart becomes bright and clear when everything is removed from the heart but the Almighty." He further says, "You have the formula, but what is it? It is love. It is a cure for your ego. Through love, even an enemy becomes a friend."

❋ ❋ ❋

According to an account, Maulana Rumi (RA) was passing by the shop of Salah al-Din Zarqubi, who was hammering silver sheets. The hammer produced such a sound that Maulana Rumi (RA) felt that its every blow was on his heart. He was consumed in love. He hugged Salah al-Din Zarqubi, who felt the warmth of God's love. He quit his business and went along with Maulana Rumi (RA). He spent nine years in his service. After his passing, another disciple Husam al-Din Chelebi attained the most closeness to Maulana Jalal al-Din Rumi (RA). It was on the advice of Husam al-Din (RA) that Maulana Rumi (RA) wrote the *Masnavi*.

One day, Maulana Rumi (RA) was dictating the *Masnavi* and suddenly went silent. He said, "Right now, I am not receiving inspiration from *ghaib* (the unseen). Therefore, there is no pleasure in this. It is rather better to be quiet."

Regarding the writing of *Masnavi*, he said, "When I think about what to write, my Beloved says, 'Do not worry about it. Only remain busy in seeing me, and stay attentive towards me. I will inspire you the couplets.'"

❋ ❋ ❋

mascus to be safe from the evil designs of the people.

Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) was unable to deal with this separation, so his condition deteriorated. When his disciples saw this, a delegation of them went to Damascus and requested Hazrat Shams Tabrezi (RA) return to Konya and he agreed. However, after his return, problems began to resurface once more. After staying for some time, Sheikh Shams Tabrezi (RA) disappeared again. No one knew where he went. In some accounts, it is told that he was martyred through an evil plot.

Separation from the spiritual master left the disciple listless.

❋ ❋ ❋

Masnavi-ye-Ma'navi is a poetic collection of Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) that is still well known after hundreds of years having passed. This truly reflects the blessings of Hazrat Shams Tabrezi (RA) on Maulana Rumi (RA). The poetry collection has about 26,000 couplets. He did not complete the sixth edition of the book and said in a couplet, "The remaining part of the *Masnavi* would reveal itself to the one who has the inner divine light."

Masnavi not only talks about God and His Attributes, it also contains parables through which great ethics have been taught. One of the short accounts is as follows.

"There was a huge wall near a stream. A very thirsty man was on the other side of the wall and desperately needed water to drink. He removed a brick from the wall and threw it in the water. He felt good when he heard the sound of water as the brick fell into the water. So, one by one, he kept on throwing bricks. The water inquired, 'Why are you hitting me with bricks? What will you get out of this?' The thirsty man replied, 'The first benefit is the sound of the water, as it is music for the thirsty. Secondly, equal to the ratio of the numbers of bricks that go down, I become closer to you.'" This means that separation from the wall is a method to reach the water. The moral of the parable is that the shorter the wall of one's ego is, the closer a disciple will be to the river – then a time will come when no wall will remain.

❋ ❋ ❋

Maulana Rumi (RA) has also discussed the qualities of the friends of God. Haji Imdadullah Muhajir Makki (RA) says, "the Qualities of God's friends discussed in *Masnavi* are the personal experiences of Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) that he attained due to the blessings of his spiritual master." Regarding this, Maulana Rumi (RA) has said, "Thousands of songs of true love are hidden in the heart of God's friends, which provide a limitless life-stream to the seeker of God."

He has advised people to wake up from the deep slumber of ignorance, and has asked them to adopt the path of lovers, and do night vigils, "O' son, try to avoid sleeping for a night and come to the valley of those who maintain

iii

speeches, and live in the present i.e. attain the love of God in your heart. This blessing is received when one becomes close to one who has attained the zenith and has trudged on this path."

❋ ❋ ❋

Hazrat Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) has written, "After giving up on my evil actions due to the blessings of my spiritual master, and being adorned with the best of ethics, I now listen and see through the *Noor* (a stage of Divine light) of God, and witness the *Noor* of God engulfing me, and see it wrapped around my head and neck like a collar."

The feeling of serenity is explained in the poetry of Maulana Rumi (RA) with the following, "It is not us who are intoxicated due to the wine. It is the wine that is intoxicated because of us. This material body exists due to the soul – the soul is not dependent upon the body."

The soul relates to the realm of *Alam-e-Amr* (the realm of command) whereas *Alam-e-Nasoot* (the material world) is a prison. Therefore, when a cognisant person feels the love of God inside of them, they realise the limitations and restrictions of this mortal world and learn to solely depend upon God. When truth was exposed to Maulana Rumi (RA), words became meaningless.

He says, "The feet of reason and logic are made of wood. And the feet of wood are fragile and weak."

The cognition that is achieved through true love and good deeds is strong and sustainable. And there is steadfastness in the belief that is achieved through *zikr* (remembrance of God) and the company of God's friends.

❋ ❋ ❋

After meeting Hazrat Shams al-Din Tabrezi (RA), the love for fame and authority vanished from his heart. He has described this feeling in the following couplet, "Today, such a high profiled Sheikh is roaming around as a beggar from place to place. This is not unusual, as love comes with this grandeur. Therefore, those of you who make false claims of love, must get ready."

In another couplet, he says, "I did not become the master of Rum until I became a student of Hazrat Shams Tabrezi (RA)." Maulana Rumi (RA) gets very ecstatic while praising his spiritual master. "The presence of a spiritual master is like a ladder to reach God. As how is it possible for an arrow to fly swiftly without the help of a bow?"

It could not remain hidden from people when the love of God influenced him. He stopped advising people altogether. But there were many people from the city that were his disciples, and they could not come to terms with it, and spread that Hazrat Shams Tabrezi (RA) had cast a spell on him. They could not tolerate his reverence for his master Sheikh Shams Tabrezi (RA). Their insolence grew with every passing day. It worsened to the extent that Hazrat Shams Tabrezi (RA) quietly left for Da-

ii

books and threw them in the pond. Maulana Rumi (RA) became furious and said, "O' illiterate man! What have you done? You have wasted my years of knowledge just like that."

The dervish smiled but did not answer. He then put his hand into the pond and took out the books. There was not a single book that was wet, and even the ink was unaffected.

Maulana Rumi (RA) was shocked by this and asked, "Dervish, how is this possible?"

The dervish replied, "This is not for you to know. Only knowledgeable ones know about it. Therefore, you should not inquire about it. You needed books and you got them." With these words, the dervish left.

Hazrat Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) realised that he had just been in the presence of a revered man who had the capabilities of wonder working. He immediately went after him, apologised and said, "Please accept me as your student."

❋ ❋ ❋

After meeting Hazrat Shams Tabrezi (RA), the fire of the love for God burning in his heart was restless to manifest itself. Maulana Rumi (RA) says, "The lesson for lovers is to wail in the remembrance of the true beloved and whirl in passion."

He further says, "For lovers, the beauty of their beloved is their teacher – and their teacher's face is the school and the lesson."

He also says, "Many rivers like Gihon pass by with respect before a water-pot whose link is established with the sea. The river Gihon may turn dry, but the little pot whose link is with the sea will never dry out."

❋ ❋ ❋

The heart of Maulana Rumi (RA) changed in the company of Hazrat Shams Tabrezi (RA). His spiritual master introduced him to the true love and diverted his attention towards attaining the cognition of God. Under the effects of true love, Maulana Rumi (RA) remained under the influence of serenity, tranquillity and love. He remained present in the company of his spiritual master and could not endure being far from him. Maulana Rumi (RA) says, "Other than the tale of deep immersion in the love of God, all other stories are nothing but an illusion."

Due to being consumed in love, he had no robe, no turban, nor any crowds of students to speak to. As he had broken free of the restraints of worldly grandeur, the reality of knowledge was exposed to him. Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) said, "True knowledge is in actuality the love of God. Any person who is not attentive towards the true knowledge, has knowledge that is a reason to cause deceit."

There remained no worth of material knowledge when Maulana Rumi (RA) stepped into *tareeqat* (Sufism). He said, "Abandon verbal discourse and

See Through the Noor

"Many rivers like Gihon pass by with respect before a water-pot whose link is established with the sea. The river Gihon may turn dry, but the little pot whose link is with the sea will never dry out."

Thousands of miles away from Rum, in the city of Tabriz in Iran, a pious person named Hazrat Shams Tabrezi (RA) humbly prayed to God, "O' God, bless me with a person to whom I can transfer the trust and the treasure of Your love that You have placed in my heart. And make it so that they describe these secrets through the language of love and kindness in accordance to the divine teachings."

The prayer was accepted and a voice from the unseen commanded him, "Go to Rum. You will find Jalal al-Din Rumi there. We have chosen him for you."

Hazrat Shams Tabrezi (RA) left immediately and reached Konya, a city in Rum. He stayed there in an inn. There was a sitting area and a pond near the inn where dignitaries gathered. Hazrat Shams Tabrezi (RA) met Maulana Rumi (RA) at that spot.

❋ ❋ ❋

Hazrat Maulana Jalal al-Din Rumi (RA) was born in 604 Hijri at Balkh. His father, Sheikh Baha al-Din was a great scholar of his time. Everyone in Khorasan city were his disciples. Hazrat Maulana Jalal al-Din Rumi's (RA) father took him to Baba Farid al-Din Attar (RA) when he was 6 years old. Hazrat Attar (RA) gifted his *Masnavi* (a collection of poetry) called '*Israr Nama*' to the child and told his father, "This boy will attain fame one day."

After acquiring elementary education, Jalal al-Din Rumi (RA) moved to Damascus and acquired skills and education for 7 years. No one was comparable to him in worldly knowledge at that time. He started teaching contemporary knowledge after that, however, it did not continue for long; the time had come for him to attain spiritual knowledge and to nurture the inner.

❋ ❋ ❋

One day, Maulana Rumi (RA) was busy delivering a lecture. His hand written works were kept besides him. A man who looked tired and whose skin and clothes were dusty, caught the attention of Maulana Rumi (RA). It appeared that he was traveling.

When he looked at the traveller, he stopped in the middle of his speech, and asked him, "Dervish, where are you coming from and who do you want to meet?" The dervish ignored his question and pointed at Maulana Rumi's (RA) books and asked, "What are these?"

Maulana Rumi (RA) replied, "You do not know about these. Only people with knowledge can understand them."

The dervish picked up the

looked like the most celestial part of the universe. It seemed to be a world that was undiscovered. The lights were mesmerising, the stars were not stars and he could actually see movement in each of them.

"Do you know you are witnessing an alternate universe about a million light-years away from you?"

The wise man's question broke the spell, and he was astonished. "How can that be?"

"Sit down! It's time!" The old man spoke authoritatively this time.

"First things first. Did you have a breakthrough with the questions I had asked earlier? Are you the sky or the lake?"

"I am the lake which is empty and dry at the moment," he said. "I am waiting for the skies to rain down upon me and fill me up. I wish to then reflect the sky in my waters such that one can see it in its entirety in me. I don't know how I have come to this knowing. I don't know who represents the sky in my life, I only know I am in deep yearning for that person. I also know when I think of the sky filling me up and reflecting upon me, I feel a deep sense of fulfillment." He realised he was tearing as he spoke.

Episode 1

The Ocean of Love Within

In search of love,
I travelled the world.
When nothing did ever soothe,
"Look within", the unending thirst urged,
It is then, in the depths of my heart,
That I saw a beautiful lake.
From once a barren desert,
The heart had revived, shutting down all ache.
As I focused hard,
I saw a sky undeterred,
Upon the lake on vigilant guard,
Ensuring droplets of love continually cascade.
In the sky I saw,
The face of my beloved;
And myself I saw,
As the lake of love, flooded.
What I was seeking,
Was inside me.
An echo was resounding,
Within my heart now free.
"I am the magnet,
That draws you.
Do not forget,
It is I who reflect on to you."
The voice was familiar,
It was indeed him,
My beloved master,
Living as an ocean of love within.

— Bibi Anuradha